آدمی آبادی کے جذبات و احساسات کا ترجمان

ماہنامہ

خواتین دنیا

Mahnama Khawateen Duniya Monthly , New Delhi

اکتوبر 2017

قیمت: -/10₹

www.urducouncil.nic.in

سوچھ بھارت

ایک قدم صفائی کی جانب

اردو زبان میں علم وآگہی کا معتبر ادبی جریدہ

قومی اردو کونسل کی منفرد پیشکش

اردو زبان وادب سے متعلق اہم تنقیدی وتحقیقی موضوعات پر فکر انگیز اور تلاش وجستجو کو صحیح سمت دینے والے مواد کے ساتھ ہر تین ماہ بعد منظرِ عام پر آنے والا نہایت سنجیدہ علمی مجلہ خود بھی پڑھیں اور دوسروں کو بھی پڑھنے کا مشورہ دیں!

ہندستانی خریداروں کے لیے سالانہ قیمت: 100 روپے، فی شمارہ: 25 روپے

(قومی اردو کونسل کی ویب سائٹ، http://www.urducouncil.nic.in پر بھی دستیاب)

منگانے کے لیے رابطہ کریں:

شعبۂ فروخت: قومی کونسل برائے فروغِ اردو زبان، ویسٹ بلاک 8، ونگ 7، آر کے پورم، نئی دہلی-110066

فون: 011-26109746، فیکس: 011-26108159، E-mail.:ncpulsaleunit@gmail.com, sales@ncpul.in

آدھی آبادی کے جذبات و احساسات کا ترجمان
ماہنامہ
خواتین دنیا
Mahnama Khawateen Duniya Monthly , New Delhi

جلد: 1 شمارہ: 1 اکتوبر 2017

مدیر: پروفیسر سید علی کریم (ارتضیٰ کریم)

نائب مدیر: ڈاکٹر عبدالحی

مشیر: شعیب رضا فاطمی

ناشر اور طابع:

ڈائرکٹر، قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان

وزارت ترقی انسانی وسائل، محکمۂ اعلیٰ تعلیم، حکومت ہند

مطبع: ایس نارائن اینڈ سنز، بی۔88، اوکھلا انڈسٹریل ایریا فیز-II، نئی دہلی۔ 110020

مقامِ اشاعت: دفتر قومی اردو کونسل

کمپوزنگ اینڈ ڈیزائننگ: محمد فہیم

قیمت -/10 روپے، سالانہ -/100 روپے

صفحات: 64 Total Pages

■ قلم کاروں کی آرا سے قومی اردو کونسل (NCPUL) اور اس کے مدیر کا متفق ہونا ضروری نہیں

● ڈرافٹ NCPUL, New Delhi کے نام ارسال کریں

صدر دفتر

فروغ اردو بھون، ایف سی 33/9، انسٹی ٹیوشنل ایریا جسولہ، نئی دہلی-110025، فون: 49539000

نگارشات ارسال کرنے کے لیے

ای میل: kduniya@ncpul.in

شعبۂ فروخت

ویسٹ بلاک-8، ونگ-7
آر کے پورم، نئی دہلی۔110066
فون: 26109746، فیکس: 26108159
ای میل: sales@ncpul.in,ncpulsaleunit@gmail.com
شاخ: 110-7-22، تھرڈ فلور، ساجد یار جنگ کمپلکس
بلاک نمبر 5-1، پتھر گٹی، حیدرآباد-500002
فون: 24415194 - 040

اس شمارے میں

اداریہ

مکالمہ — مدیر 4

شخصیت

حجاب امتیاز علی کا مختصر تعارف 5
جاں نثار معین

پرواز کے نئے آسمان

ہندوستانی خواتین کرکٹ کی سرتاج متالی راج 7
شعیب رضا

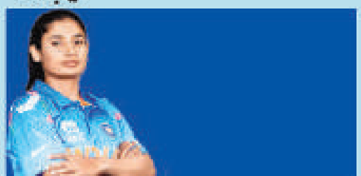

نکہت سخن

شاعرات کے منتخب اشعار 10

جہان نسواں

آدھی عورت.........آدھا خواب
عصمت چغتائی

چاند بی بی — ایم مبین 14

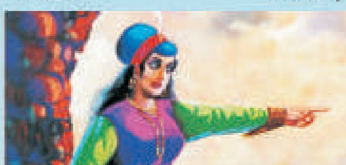

حیدرآباد کی چند اہم خواتین ناول نگار 21
جاوید شاہ آبادی

ماں کا نعم البدل نہیں کوئی 25
عالیہ نوشین شبیر احمد

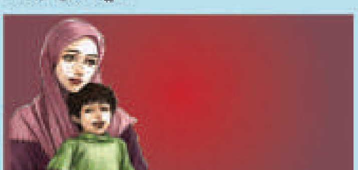

اردو شاعری میں خواتین کا حصہ 27
انصاری آصفہ بدر الزماں

تعزیرات ہند اور خواتین جنسی و دیگر جرائم 29
خواجہ عبدالمنتقم

کہانیاں

صنوبر کے سائے — حجاب امتیاز علی 32

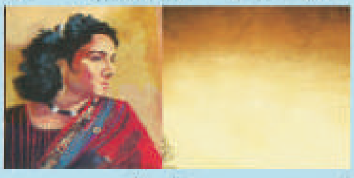

بجھائے نہ بجے — ترنم ریاض 35
سراب — انور نزہت 38

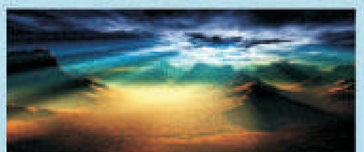

صحرا میں نہیں رہنا — تبسم فاطمہ 40
طلاق — غزالہ قمر اعجاز 44
پیار بھرا تحفہ — عطیہ بی 46
آنکھیں — چشمہ فاروقی 48

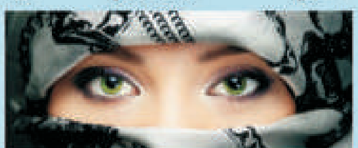

حسن سخن

ریحانہ عاطف خیرآبادی 50، اصفیہ خان 50
عاتکہ ماہین 51، فرحین اقبال 52

باورچی خانہ

لذیذ پکوان 53

صحت

خاتونِ خانہ صحت مند تو پورا گھر صحت مند 55
ڈاکٹر ریحان انصاری

آرائش و زیبائش

فیشن کے بدلتے تقاضے اور بوتیک 57
شاہینہ زریں

تاثرات 59

خواتین خبرنامہ 61

مکالمہ

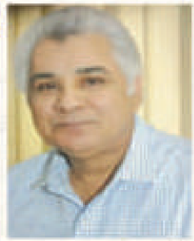

خواتین دنیا کا سفر جاری ہے اور ہر اگلا شمارہ پہلے سے زیادہ مقبول ہو رہا ہے اور اس کا ثبوت وہ خطوط ہیں جو ملک کے مختلف حصوں سے دفتر کو وصول ہو رہے ہیں۔ میں اپنی بات پر قائم ہوں کہ اردو زبان و ادب کے فروغ میں خواتین کا کردار ہر دور میں اہم رہا ہے یہ الگ بات ہے کہ اس حوالے سے سنجیدہ تحقیق کی ضرورت آج بھی ہے کہ آخر 18 ویں صدی میں آنے والے صنعتی انقلاب کے جلو میں راجہ رام موہن رائے کی تحریک، جس میں عورتوں کو صدیوں سے زندہ جلائے جانے کی رسم کو بہیمانہ قرار دیا گیا۔ اسی دور میں ڈپٹی نذیر احمد نے بھی اپنے ناولوں و مضامین کے ذریعہ گنبد بے در میں قید خواتین کو میدان عمل میں آنے کی دعوت دی اور پھر علی گڑھ میں شیخ عبداللہ کے ذریعہ باضابطہ گرلز کالج و گرلز ہاسٹل کا قیام، یہ سب وہ واقعات ہیں جس نے صنعتی انقلاب کو پر پرزے عطا کیے اور انیسویں صدی بڑی بڑی تحریکوں کی صدی بن گئی یعنی جہاں انگریزوں کی آمد نے ہمیں غلامی کی لعنتوں سے آگاہی بخشی وہیں معاشرے کے ہر ایک شعبے میں احساسِ شعور بھی بیدار ہوا جس کا ثمرہ ہمیں بیسویں صدی میں برگ و بار لاتا نظر آتا ہے۔

مرد اساس معاشرے میں خواتین کے کردار پر ایک طویل گفتگو کی ضرورت ہے اور یہ رسالہ اس گفتگو کو آگے بڑھانے کا کام انجام دے گا لیکن اس کے لیے خود خواتین کو آگے آنا ہوگا کیونکہ یہ بات بہت حد تک درست ہے کہ خواتین دنیا کے جذبات و احساسات نیز مشاہدات کو من و عن رقم کرنا مردوں کے لیے ناممکن نہیں تو مشکل ضرور ہے اور کسی بھی ادب یا معاشرے کی ترقی آدھی آبادی کو مکمل خود اختیاری دیے بغیر ممکن نہیں۔

"خواتین دنیا" کے اجرا کا مقصد ہی یہ ہے کہ اردو دنیا میں خواتین کے داخلے کا ایک وسیع دروازہ کھولا جائے اور ہماری زبان خواتین کے تجربات و مشاہدات کے جواہر پارے سے مزید مالا مال ہو۔ ابھی تخلیقات کے نام پر صرف کہانیاں یا شاعری آ رہی ہیں اس سے آگے بڑھ کر انٹرویو کی ضرورت ہے جو خواتین خود اپنے اپنے علاقے کی چنندہ خاتون افسانہ نگار، افسر، ڈاکٹر، استاد، سائنسداں، سماجی خدمت گار سے لے سکتی ہیں ہم اسے نہایت پروقار انداز میں شائع کریں گے۔

یہ سچ ہے کہ آج بھی ہمارا معاشرہ پوری طرح آزادئ نسواں کا قائل نہیں لیکن اسی ماحول میں جدوجہد کر کے ہر شعبۂ حیات میں خواتین اپنی حیثیت منوا رہی ہیں اب ایسے میں ان کی جدوجہد کی داستان نئی نسل کے لیے چشم کشا بھی ثابت ہوگی اور انھیں مہمیز بھی کرے گی۔ "پرواز کے نئے آسمان" کے تحت نئے شعبوں میں اپنی حیثیت و اہمیت منوا چکی خواتین کی زندگی پر مضامین لکھ کر بھی ہمیں بھیجیں تا کہ ان کو بڑے حلقے میں متعارف کرایا جا سکے اور نوجوان نسل انھیں اپنا نشانِ منزل بنا سکیں۔ اس کے علاوہ اس بدلتی اور ترقی یافتہ دنیا پر خواتین کے زاویۂ نظر کو سمجھنا بھی بہت ضروری ہے۔ ہمارے معاشرے نے ترقی بے شک کی ہے لیکن یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ گھر کی ذمہ داری کے ساتھ ساتھ باہر کی ذمہ داریوں کا بوجھ بھی اپنے کاندھوں پر اٹھا کر چلنے والی خواتین کے سامنے نت نئی الجھنیں بھی بڑھی ہیں۔ گھر کے دروازے سے باہر نکل کر گھر تک آنے کے دوران ان پر گزرنے والا وقت کس قدر جاں گسل ہوتا ہے اور اسے کس طرح آسان بنایا جا سکتا ہے اس کو بھی مضامین کی شکل میں قلمبند کیا جا سکتا ہے جو خالص تجربے و مشاہدے پر مبنی ہوگا اور کارآمد بھی۔ اس کے علاوہ بھی اور بہت سارے موضوعات ہیں جن پر نئے سرے سے لکھنے کی ضرورت ہے۔ خواتین دنیا کے صفحات اس کے منتظر ہیں اب آپ کی ذمہ داری ہے کہ اس کارِ خیر میں آپ کس حد تک معاون ثابت ہوتی ہیں۔

آپ کا

پروفیسر سید علی کریم (ارتضی کریم)

شخصیت

حجاب امتیاز علی کا مختصر تعارف

جاں نثار معین

اردو فکشن میں حجاب امتیاز علی کو وہی اہمیت حاصل ہے، جو فوراً بعد کے دور میں عصمت چغتائی کو ملی اور یہ دونوں خواتین صاحب طرز اور منفرد افسانہ نگار تھیں۔ گو دونوں کے یہاں زندگی کے رویے ایک دوسرے سے مختلف اور متضاد تھے، ایک کے یہاں موتیا کی ٹہنی پر گانے والی کوئل، کاؤنٹ لوٹ اور مادام زبیدہ تھیں، دوسری کے یہاں درانتی اور ہتھوڑا۔ ہندوستان کی سیاسی اور سماجی تاریخ مرتب کرنے والوں کے لیے یہ دونوں خواتین دو اہم ادوار کی ترجمانی اور نمائندگی کرتی ہیں اور دونوں کے مطالعہ کے بغیر اردو فکشن کی تاریخ مکمل نہیں ہوسکتی ___ قرۃ العین حیدر

اردو زبان و ادب کے مرکزی شہر حیدرآباد کے اہل قلم ہر دور میں اردو کی ترقی و ترویج میں بہترین خدمات انجام دیتے آئے ہیں۔ عہد آصفی سے قبل عوام قدیم روایات کے پابند اور قدامت پسند تھے۔ بالخصوص یہ شہر خواتین کے لیے سخت گیر تھا۔ بیشتر گھرانے کی خواتین گھر کی چہار دیواری سے باہر نہیں نکل سکتی تھیں۔ حد تو یہ تھی کہ خواتین بیماری میں مبتلا ہو کر جاں بحق ہو جاتی تھیں۔ لیکن وہ طبیب سے رجوع کرنا بھی معیوب سمجھتی تھیں۔ ایسے روایتی پردہ کے ماحول سے نکل کر علوم و فنون حاصل کرنا مشکل عمل تھا۔

اس عہد میں لڑکیوں کی تعلیم و تربیت کا انتظام گھر پر ہی کیا جاتا تھا۔ نصیر الدین ہاشمی نے اپنی کتاب ''خواتین عہد عثمانی میں'' لکھی۔ اس سے قبل محب حسین اپنی تقریروں کے ذریعہ تعلیم نسواں کو فروغ دیتے رہے۔ علاوہ ازیں ممتاز یار الدولہ، ہمایوں مرزا اور خود اس وقت کے بادشاہ نظام سابع بھی خواتین کی ترقی و ترویج میں معاون بنے۔ اس دور میں صالحہ عابد حسین، رضیہ سجاد، عصمت چغتائی، قرۃ العین حیدر اور دیگر معاصر فکشن نگار خواتین کی عظمتِ قلم اور فکری بصیرتیں بلندیاں چھو رہی تھیں۔ ان کے نقشِ قدم پر چلنے والی متعدد خواتین افسانہ نویس، مثلاً آمنہ ابوالحسن، عفت موہانی، جمیلہ ہاشمی، واجدہ تبسم، رضیہ بٹ، رفیعہ منظور الامین وغیرہ کی تحریریں نئی سوچ اور سماج کی تعمیر کر رہی تھیں۔ اس ماحول میں افسانوی دنیا کا ایک معتبر نام حجاب امتیاز علی بھی شہرتوں کی چوٹیوں پر تھا۔

اردو کی نامور افسانہ نگار حجاب امتیاز علی 4 نومبر 1908 کو حیدرآباد کے ایک مقتدر اور مہذب گھرانے میں پیدا ہوئیں۔ والد سید محمد اسماعیل نظام دکن کے فرسٹ سکریٹری تھے۔ ان دنوں میں جب حیدرآباد شہر میں پلیگ (طاعون) پھیلا تو انہوں نے اپنی بیگم اور دونوں لڑکیوں کو مدراس بھیج دیا۔ وہیں حجاب کی تعلیم ہوئی۔ کیونکہ حجاب کی ماں عباسی بیگم اپنے دور کی نامور اہل قلم خاتون تھیں۔ حجاب امتیاز علی نے عربی، اردو اور موسیقی کی تعلیم وہیں حاصل کی۔ اس ضمن میں ڈاکٹر عبدالعرفان نے اپنی تصنیف 'انڈیا کی مشہور خواتین' میں 'بیگم حجاب امتیاز علی (پہلی مسلم پائلٹ خاتون وادیہ) لکھا ہے۔

''حجاب نے 14۔13 سال کی عمر سے لکھنے کا آغاز کیا۔ ان کا پہلا افسانہ 'میری ناتمام محبت' تھا۔ یہ افسانہ شاہکار کی حیثیت سے مشہور ہوا اور اس نے قارئین کو کافی متاثر کیا۔ یہ افسانہ 1933 میں 'نیرنگ خیال' لاہور میں شائع ہوا۔ اس کے ساتھ ہی تہذیب نسواں میں بھی مضامین وغیرہ شائع ہونے لگے تھے۔ تہذیب نسواں کی ادارت مولانا ممتاز علی اور ان کی بیگم محمدی بیگم کر رہے تھے۔ ان کی وفات کے بعد اس کی ادارت ان کے فرزند ارجمند امتیاز علی تاج کے ذمہ آئی۔ اس کا انتساب حجاب اسماعیل کے نام تھا۔ 1934 میں امتیاز علی تاج سے شادی ہوئی۔ ہم سفر بننے کے بعد 1936 میں فلائنگ کلب جوائن کر لیا اور جون 1936 کو بہتر پائلٹ کا لائسنس حاصل کیا۔ اس طرح وہ ہندوستان کی پہلی پائلٹ خاتون بن گئی۔''

ابتدا میں وہ حجاب اسماعیل کے نام سے لکھا کرتی تھیں۔ ان کی تحریریں زیادہ تر تہذیب نسواں میں شائع ہوتی تھیں۔ جس کے مدیر امتیاز علی تاج تھے۔ 1929 میں امتیاز علی تاج نے اپنا مشہور ڈرامہ انارکلی ان کے نام سے معنون کیا۔ 1934 میں یہ دونوں ادبی شخصیات سجاد حیدر

یلدرم کی معرفت رشتہ ازدواج میں منسلک ہوگئیں۔ نکاح سے قبل حجاب کا نام حجاب اسماعیل تھا۔ بعد میں حجاب امتیاز علی مشہور ہوگیا۔ 19 مارچ 1991 کو ہندوپاک کی نامور فکشن نگار کی حیثیت سے مقبولیت حاصل کرنے والی یہ ادیبہ رومانوی تحریروں میں اپنا نام درج کروا کر دنیائے فانی سے کوچ کر گئیں۔

حجاب امتیاز علی کا ناول 'زہرہ بیگم' اور فلسفیانہ مقالات کا مجموعہ 'گل صحرا' قابل قدر یادگار ہیں۔ حجاب نے بارہ برس کی عمر میں عشقیہ موضوع پر افسانہ 'میری ناتمام محبت' لکھی۔ یہی عنوان بعد میں ان کے افسانوی مجموعہ کا نام بن گیا۔ اس کم سن ادیبہ کو والدہ کا قلمی تعاون حاصل تھا۔ جس کا اعتراف انھوں نے کئی جگہ کیا ہے۔ ان کی زندگی ادب کے ساتھ ساتھ ایک عام انسانوں کی طرح تھی۔ اکثر و بیشتر وہ ادبی محفلوں میں شرکت کیا کرتی تھیں۔ انھیں ہوا بازی یا کار ڈرائیونگ کرنے کے علاوہ جانور اور پرندے پالنے کا شوق بھی تھا۔ ان مصروفیات کے باوجود بھی ان میں بھرپور ادبی ذوق تھا۔ اسی لیے انہوں نے تہذیب نسواں کی ادارتی ذمہ داری نبھائی۔ اس کے علاوہ انہیں دنیا کی پہلی ہوا باز خاتون ہونے کا اعزاز حاصل تھا۔ ہوا بازی کا آغاز انگلینڈ میں کیا اور اکتوبر 1936 میں ہوا بازی کا لائسنس حاصل کیا۔ اسی سال ناردن لاہور فلائنگ کلب سے ہوا بازی کی سند حاصل کی اور برٹش گورنمنٹ کی وہ پہلی خاتون پائلٹ کہلائیں۔ اسی برس ''تہذیب نسواں'' میں ان کی ہوا بازی کے متعلق ایک نظم بھی شائع ہوئی۔ حجاب امتیاز علی کے فکر و فن سے متعلق ڈاکٹر مجیب خاں نے لکھا ہے:

''حجاب بلا کی ذہین تھیں۔ ان کا مطالعہ وسیع، مشاہدہ اور تجربہ بھی بے حد تیز اور گہرا ہے، اس لیے وہ عوامی زندگی کی عکاسی تو کرتی ہیں، مگر انھیں عوامی زندگی سے کوئی خاص واسطہ نہیں ہے۔ اگرچہ انھوں نے بھرپور سماجی زندگی گزاری، مگر ان کے کرداروں میں زندگی کی یہ رمق نظر نہیں آتی۔ ان کے کردار زندگی کے مسئلے کو غور و فکر سے حل کرتے ہیں اور کبھی کبھی جذبات کے سیلاب میں بہہ جاتے ہیں۔ وہ شرافت اور سنجیدگی کا مجسمہ ہوتے ہیں۔ ان کے کردار ہر افسانہ و ناول میں جانے پہچانے ہونے کے باوجود تخیلی، اعلیٰ اور مہذب سوسائٹی کے ہوتے ہیں اور ان میں غیر معمولی خوبیاں ہوتی ہیں۔''

حجاب امتیاز علی نے اپنی تحریروں سے ادب کو نئی جہت دی۔ ان کے افسانے فنی اور لسانی دونوں اعتبار سے بلند ہوتے ہیں۔ ان کی تحریروں میں غضب کی دلکشی اور تاثیر ہے۔ ان کے افسانوں میں وہ تمام خوبیاں موجود ہیں، جو ایک کامیاب کہانی کار میں ضروری ہیں۔ حجاب کے افسانوں کا پلاٹ اکہرا، چست درست، مربوط اور مضبوط ہے۔ برجستگی کا لطف اور زبان کی چاشنی بھرپور ہے۔ اس کا اعتراف سجاد حیدر یلدرم نے اس طرح کیا ہے۔ 'حجاب کے تخیل نے ایک نئی دنیا خلق کی ہے اور اس دنیا میں ایک نئی اور نہایت دلکش مخلوق آباد کی ہے۔ یہ دنیا، جس میں ہم اور آپ رہتے ہیں، اس سے علیحدہ ہے، گو اس سے ملتی جلتی ہے اور جو لوگ اس دنیا میں آباد ہیں، وہ ہم سے مشابہ تو ضرور ہیں، مگر بالکل ہماری طرح نہیں ہیں'۔ ان کا خیال درست ہے۔ کیوں کہ ایک مستند و معتبر قلم کار کے لیے تمثیل نگاری اور معاشرے کی ترجمانی کے لیے کائنات کا نجی مشاہدہ ضروری ہے۔ تاکہ سماج کے نشیب و فراز سے پوری آگہی ہو۔ اسی سے منظر نگاری کے دل پذیر و دلکش خاکوں کی سچی تصویر بنتی ہے۔

ان کے کردار رومانیت کی دھیمی آنچ میں ابھر کر محبت کے جذبات میں گھل مل جاتے ہیں۔ اس کی بہترین مثال ان کے ایک مشہور ناول 'پاگل خانہ' میں دیکھی جا سکتی ہے۔ 'بلاشبہ کائنات بڑی حسین ہے۔ اسی حسن کی بارگاہ میں تو میری ساری عمر پرستش میں گزر رہی ہے۔ لیکن ابھی آفتاب ڈوب جائے گا اور کائنات کے سارے رنگ بدل جائیں گے۔'

حجاب امتیاز علی نے اردو زبان و ادب کی ترقی میں اتنا وسیع اور حسین محل تعمیر کیا جسے کبھی فراموش نہیں کیا جا سکتا۔ اردو کی فکشن نگار خواتین میں حجاب کا نام صف اول میں شامل ہے۔ کیوں کہ انہوں نے اپنی تحریروں میں دلکش انداز سے لفظوں کا جامہ پہنایا۔ حجاب کی تمام کہانیوں میں یکسانیت پائی جاتی ہیں۔ جس کی بنا پر وہ نئی نسل کو بھرپور زندگی کا پیغام دینے میں ناکام نظر آتی ہیں۔ پھر بھی حجاب کے فکشن میں زبان و بیان، اسلوب، قصہ، منظر نگاری، پلاٹ بہت معیاری ہوتا ہے۔ ان کا یہی وصف ان کے فکر پاروں میں ہے۔ ان کی رومانی تخیل آفرینی کی بنا پر انہیں ادب قدر کی نظروں سے دیکھا جاتا ہے۔ اردو ادب کی ترقی و ترویج میں حجاب کی رومانوی فکشن نگاری نے ایسے گل ہائے رنگا رنگ کھلائے ہیں، جو اپنی مہک اور حسن کے لحاظ سے کبھی نہ مرجھائیں گے۔ ▪

Jan Nisar Moin
Research Scholar
Depatt. of Women Education
Maulana Azad National Urdu University
Gachibowli-500032, Hyderabad
Telangana. Mob. 09394578313

ہندوستانی خواتین کرکٹ کی سرتاج

متالی راج

متالی راج نہ صرف بھارت کی اب تک کی سب سے کامیاب خاتون کرکٹر ہیں، بلکہ ان کا شمار دنیا کے بہترین بلے بازوں میں ہوتا ہے۔ متالی سے منسلک ایک اور دلچسپ کہانی ہے۔ بچپن میں کرکٹ کا بیٹ پکڑنے سے پہلے متالی 'بھرت ناٹیم' سیکھ رہی تھیں۔ وہ ڈانسر بننا چاہتی تھیں۔ ملک و بیرون ملک مختلف جگہ اپنے رقص و فن کا مظاہرہ کر کے لوگوں کو اپنا دیوانہ بنانا چاہتیں تھی۔ متالی نے چھوٹی عمر سے ہی اسٹیج پر رقص کرنا شروع کر دیا تھا۔

اگرچہ متالی ڈانسر نہ بن پائی ہوں، لیکن اپنی شاندار بیٹنگ سے کرکٹ کے میدان پر گیند بازوں اور فیلڈرس کو خوب ناچ نچاتی آ رہی ہیں۔

کرکٹ کے میدان پر متالی کی کامیابیاں کچھ اتنی بڑی ہیں کہ بھارت کی کوئی دوسری خاتون کرکٹر ان کی برابری کرتی نہیں دکھائی دیتی۔ ایک اہم بات یہ بھی ہے کہ متالی آج بھی اپنی کامیابی کا کریڈٹ اپنے والد دورائی راج کو ہی دیتی ہیں۔ متالی کے مطابق، ان کے والد چاہتے تھے کہ وہ بہت کم عمر میں ہی بھارتی خواتین کرکٹ ٹیم میں اپنی جگہ بنا لیں۔ متالی کو کرکٹر بنانے کے لئے والد نے کافی محنت کی تھی۔ باپ اور بیٹی کی مشترکہ محنت کا ہی نتیجہ تھا کہ متالی جب صرف 14 سال کی تھیں، انہیں بھارتی ٹیم کے لئے "اسٹینڈ بائی" کھلاڑی بنا دیا گیا تھا۔ 16 سال کی عمر میں متالی نے اپنا پہلا بین الاقوامی میچ کھیلا۔ 26 جون، 1999 کو ملٹن کے کیمبل پارک میں کھیلے گئے اس میچ میں متالی راج نے ریشما گاندھی کے ساتھ اننگز کی شروعات کی تھی۔ اس میچ میں متالی نے ناٹ آؤٹ 114 رنز بنائے۔ ریشما نے بھی 104 رنز کی شاندار سنچری اننگز کھیلی۔ ہندوستانی ٹیم یہ میچ 161 رنز سے جیت گئی۔ اور اس میچ سے ہندوستانی کرکٹ کو ایک نیا ستارہ مل گیا۔ آگے چل کر متالی خواتین کرکٹ کے ون ڈے فارمیٹ میں 5000 رنز بنانے والی پہلی ہندوستانی خاتون بنیں۔ اب تک صرف دو ہی کھلاڑی خواتین ون۔ڈے کرکٹ میں 5000 سے زیادہ رن بنا پائی ہیں۔ متالی سے پہلے سی ایم ایڈورڈز نے ون ڈے میں 5000 رنز مکمل کئے تھے۔

متالی نے اپنا پہلا ٹیسٹ میچ 2002 میں کھیلا۔ 14 سے 17 جنوری کے درمیان لکھنؤ میں کھیلے گئے اس میچ میں متالی صفر پر آؤٹ ہو گئیں۔ لیکن آگے چل کر وہ خواتین ٹیسٹ کرکٹ میں ڈبل سنچری لگانے والی پہلی کرکٹر بنیں۔ ویسے ایک نہیں بلکہ کئی ریکارڈ متالی کے نام ہیں۔

ایسا بھی بالکل نہیں ہے کہ متالی راج کا سفر ایک دم آسان، فکر سے مبرا اور کشیدگی سے پاک رہا ہے۔ متالی نے جب کرکٹ کھیلنا شروع کیا تھا ان دنوں

بہت ہی کم لوگ جانتے تھے کہ خواتین بھی کرکٹ کھیلتی ہیں۔ ایک طرف جہاں ملک میں کرکٹ کی مقبولیت مسلسل بڑھ رہی تھی، کرکٹ کا جادو لوگوں کے سر چڑھ کر بول رہا تھا، بہت سے لوگوں نے تو کرکٹ کو ہی اپنا مذہب مان لیا، وہیں دوسری جانب کچھ لوگ ایسے بھی تھے جن کے لیے یہ یقین کرنا مشکل تھا کہ خواتین بھی کرکٹ کھیلتی ہیں۔ اور عورتوں اور مردوں کا کھیل بالکل ایک جیسا ہے۔ اصول سارے ایک ہیں۔ میدان وہی ہیں۔ وہی چیلنج ہیں اور وہی گلا کاٹ مقابلہ۔

متالی بتاتی ہیں کہ جب انہوں نے ہندوستانی ٹیم میں جگہ بنائی، انہیں خود یہ پتہ نہیں تھا کہ بھارت کی بڑی عمر کی عورت کرکٹر کون ہیں؟ وہ کیسی دکھتی ہیں؟ کیسا کھیلتی ہیں۔ ان کے نام کیا کیا ریکارڈ ہیں۔ سینئر ٹیم میں جگہ ملنے کے بعد ہی متالی کو اس وقت کی عظیم خاتون کرکٹرز - شانتا رنگاسوامی، ڈائنا ایڈلجی کے بارے میں جاننے کا موقع ملا۔ یہ وہی وقت تھا جب ہندوستان کے تقریباً ہر گھر میں تقریباً تمام لوگ ہندوستانی مرد کرکٹ ٹیم کے ہر نئے پرانے کھلاڑی کے بارے میں جانتے تھے۔

متالی نے بتایا کہ ان دنوں خواتین کرکٹ کی اتنی حوصلہ افزائی بھی نہیں ہوتی تھی۔ ان دنوں جب خواتین کرکٹر ٹرین میں سفر کرتی تھیں، تو لوگ ان کھلاڑیوں کے بڑے کٹ بیگ دیکھ کر ان سے پوچھتے تھے کہ کیا وہ ہاکی کھیلنے جا رہی ہیں؟ جب ان لوگوں کو جواب ملتا کہ وہ کرکٹر ہیں اور کرکٹ کھیلنے جا رہی ہیں، تو لوگ حیران رہ جاتے۔ اتنا ہی نہیں لوگ خواتین کرکٹرز سے عجیب و غریب سوال پوچھتے مثلاً - کیا لڑکیاں بھی کرکٹ کھیلتی ہیں؟ کیا خواتین ٹینس بال سے کرکٹ کھیلتی ہیں؟ خواتین کے لئے کیا اصول ہیں؟

متالی کو اب بھی وہ دن اچھی طرح یاد ہیں جب وہ لڑکوں کے ساتھ پریکٹس کرنے جاتیں تو لڑکے کافی سخت اور چبھنے والے فقرے کستے۔ لڑکے اکثر کہتے، ارے! لڑکی ہے۔ آہستہ سے گیند پھینکو ورنہ اسے چوٹ لگ جائے گی۔ مشکل حالات میں متالی نے کرکٹ کا انتخاب کیا۔ اپنے اب تک کے سفر میں کبھی بھی صبر کا دامن نہیں چھوڑا۔ ہمت نہیں ہاری۔ ہر چیلنج کا سامنا کیا۔ مخالف حالات میں بھی اپنی قابلیت اور کامیابیوں سے خواتین کرکٹ کو ہندوستان میں قابل احترام بنانے میں بڑا اہم کردار نبھایا۔

متالی نے جب کرکٹ کھیلنا شروع کیا تھا، تب انہوں نے اپنے لئے کوئی بڑا مقصد نہیں رکھا تھا۔ ان کا ارادہ بھارتی کرکٹ ٹیم میں جگہ بنانا تھا۔ جگہ بنانے کے بعد ان کا اگلا ارادہ اس جگہ کو پکا کرنا تھا۔ جگہ پکی کرنے کے بعد ان کا مقصد ٹیم کا "اہم کھلاڑی" بننا تھا۔ متالی نے ٹیم کا سب سے بڑا اور اہم کھلاڑی بننے کے لئے جی جان لگا دی۔ وہ جانتی تھیں کہ اگر انہیں ٹیم میں بنے رہنا ہے اور وہ بھی اہم کھلاڑی کی طرح تو انہیں مسلسل اچھا مظاہرہ کرنا پڑے گا۔ ہر بار ٹیم کو فتح دلانے میں اہم کردار ادا کرنا ضروری ہے۔

متالی کا رتبہ اتنا بڑھ گیا کہ انہیں بھارتی خاتون ٹیم کا کپتان بھی بنایا گیا۔ متالی کا کہنا ہے کہ کپتانی ہر کسی کو نہیں ملتی اور جو لوگ قسمت والے ہوتے ہیں، انہیں ہی کپتان بننے کا موقع ملتا ہے۔

متالی نے کہا،

'میں آہستہ آہستہ، قدم بہ قدم آگے بڑھی ہوں۔ اور جیسے جیسے میں آگے بڑھی ویسے ویسے میری ذمہ داریاں بڑھیں اور مجھ کو، ٹیم اور کھیل سے محبت کرنے والوں کی امیدیں بھی بڑھیں زندگی کے مختلف مراحل میں مختلف ہدف بھی رہے۔ کھیل کی بہتری برقرار رکھنے کا چیلنج ہمیشہ میرے ساتھ رہا۔

3 مئی 2016 کو ایک خاص ملاقات میں متالی راج نے اپنی زندگی کے بہت سے اہم پہلوؤں کے بارے میں بتایا۔ بہت سے مسائل پر کھل کر اپنی رائے ظاہر کی۔ اس کرکٹ اکیڈمی میں جہاں متالی راج نے کرکٹ کھیلنا شروع کیا تھا، وہیں ہوئی ان سے خاص ملاقات کے دوران بات چیت میں سامنے

آئے دیگر اہم اقتباسات یہاں پیش ہیں:-

تحریک و ترغیب: متالی کو آج بھی اپنے والد دورائے راج سے ہی ترغیب ملتی ہے۔ وہ بتاتی ہیں،

'ڈیڈ کی وجہ سے ہی میں نے کرکٹ کھیلنا شروع کیا تھا۔ وہ چاہتے تھے کہ کم عمری میں بھارت کے لئے کھیلوں جب کبھی میں بہترین اسکور بناتی ہوں تو ڈیڈ کو فون کر بتاتی ہوں۔ ڈیڈ بہت خوش ہوتے ہیں۔ ڈیڈ کی یہی خوشی میرے لئے حوصلہ افزائی ہے۔

مصیبتوں سے نکالتی ہے ماں: متالی کی ماں کو کرکٹ کی اتنی سمجھ نہیں ہے، جتنی کہ والد کو۔ لیکن، ماں نے بھی متالی کا کیریئر بنانے میں کافی اہم کردار ادا کیا ہے۔ ماں نے متالی کے لئے بہت قربانیاں دی ہیں۔ زندگی کے تمام بڑے فیصلے متالی نے ماں کی سفارش پر ہی لئے ہیں۔ متالی بتاتی ہیں کہ جب کبھی وہ ذہنی طور پر پریشان ہوتی ہیں تو ماں کے صحیح مشورہ سے اپنی پریشانی دور کرتی ہیں۔ متالی کہیں بھی ہوں مسئلہ کے حل کے لئے وہ اپنی ماں کو فون کرنا نہیں بھولتیں۔

تنقید: 2013 میں جب متالی کی قیادت والی بھارتی خواتین کرکٹ ٹیم "سوپر سکس" کے لئے بھی کوالیفائی نہیں کر پائی تھی، تب دورائے راج کا غصہ ساتویں آسمان پر تھا۔ انہوں نے متالی کی جم کر تنقید کی تھی اور کچھ تلخ لفظ بھی کہے تھے۔ والد نے خود متالی سے کپتانی چھیننے کی کوشش کی تھی۔ کچھ لوگوں نے تو متالی کو کرکٹ سے ریٹائرمنٹ لینے کا مشورہ تک دے دیا تھا۔

اس واقعہ کے بارے میں پوچھے جانے پر متالی نے بتایا کہ ان کے والد ان کے سب سے بڑے نقاد بھی ہیں۔ اور یہ ضروری نہیں کہ ہر کوئی ان کی تعریف ہی کرے۔ انہوں نے اپنے والد کی تنقید میں بھی مثبت چیزوں کو ہی لیا اور آگے بڑھیں۔ متالی مانتی ہیں کہ ایک بڑا کھلاڑی بننے کے بعد ناقدین کا ارد گرد ہونا بہت ضروری ہوتا ہے۔ ناقدین کے نہ ہونے کی صورت میں پلیئر کے لاپرواہ ہونے کا خطرہ بن جاتا ہے۔ متالی نے مزید کہا، "بے سبب تنقید کرنے والے لوگ بھی ہوتے ہیں۔ آپ کسی کو مجبور نہیں کر سکتے کہ وہ آپ کے کھیل کو پسند کرے۔ ہر کسی کو خوش بھی ہمیشہ نہیں کیا جا سکتا ہے۔"

خواتین کرکٹ میں سیاست: متالی بے باک ہو کر یہ کہتی ہیں کہ بھارتی خواتین کرکٹ میں بھی سیاست ہوتی ہے۔ جس طرح کی سیاست دیگر شعبوں میں ہے ویسی ہی سیاست خواتین کرکٹ میں بھی ہوتی ہے۔ چونکہ میڈیا خواتین کرکٹ میں زیادہ دلچسپی نہیں لے رہا ہے، اس وجہ سے سیاست کی خبریں باہر نہیں آرہی ہیں۔ متالی نے سنسنی خیز انکشاف بھی کیا کہ گندی سیاست کی وجہ سے ہی بہت اچھی خاتون کھلاڑی بھارتی ٹیم میں جگہ نہیں بنا پاتیں۔ متالی کے مطابق، جو کھلاڑی ذہنی طور پر مضبوط ہوتے ہیں، وہ سیاست کا شکار ہونے سے خود کو بچا لیتے ہیں، لیکن جو کمزور ہوتے ہیں وہ اس کا شکار ہو جاتے ہیں۔

متالی مشورہ دیتی ہیں کہ ہر شخص خاص طور پر کھلاڑیوں کو ذہنی طور خود تو اتنا قابل بنا لینا چاہئے کہ سیاست کا ان پر کوئی اثر نہ پڑے۔

کامیابی کے معنی: متالی کی نظر میں مشکل ترین حالات میں مستحکم اور پرسکون رہ کر ہدف حاصل کرنا ہی کامیابی ہے۔ بطور کھلاڑی ان کا خیال ہے کہ مشکل حالت سے ٹیم کو ابارنا ہی کامیابی ہے۔ وہ کہتی ہیں،

' کپتان کے طور پر اگر میری ذاتی کارکردگی خراب بھی رہی اور پھر بھی میں اگر دوسرے کھلاڑیوں کا حوصلہ بڑھا کر ان کی اچھی کارکردگی دے سکتی ہوں۔ کپتان کے طور پر میں اسے میری سب سے بڑی کامیابی مانوں گی۔'

سچن تندولکر سے موازنہ پر: متالی کہتی ہیں، "جب لوگ مجھے خواتین کرکٹ کا تندولکر کہتے ہیں تو بہت خوشی ہوتی ہے۔ کرکٹ کو تندولکر کی شراکت بہت بڑی ہے۔ ان کی کامیابیاں بہت بڑی ہیں اور وہ عظیم کھلاڑی ہیں۔ ایسے بڑے کھلاڑی سے موازنہ کرنے پر خوشی ہوتی ہی ہے، لیکن میں چاہتی ہوں کہ لوگ مجھے میرے نام سے جانیں۔ لوگ مجھے میرے کھیل اور میری کامیابیوں کی وجہ سے پہچانیں۔

کامیابی کا منتر: محنت کے بغیر کامیابی نہیں ملتی۔ اگر لڑکیوں کو ہندوستانی خواتین کرکٹ ٹیم میں جگہ بنانی ہے تو سخت محنت کرنی پڑے گی۔ کامیابی کے لئے آپ کی ترجیحات طے کرنا بھی انتہائی ضروری ہے۔ متالی کے مطابق، بہت سے لوگ اپنی ترجیحات طے نہیں کر پاتے۔ وہ مشورہ دیتی ہیں کہ لوگوں کو صرف اور صرف اپنے ہدف پر توجہ کرنا چاہئے۔

شاعرات کے منتخب اشعار

وعدوں پہ اس کے مجھ سے توکل نہ ہو سکا
افسوس دو گھڑی بھی تحمل نہ ہو سکا

شاید ٹھہر گیا ہے حرف شکایت آکر
جو آبلہ تھا اس دم میری زبان پر ہے

راضیہ خاتون جمیلہ

مصیبت اور راحت ہیں رفیقِ زندگی کبریٰ
رہائی ان رفیقوں سے نہیں عمرِ رواں تک ہے

کسی کی نہ دیکھی کبھی مہربانی
زباں تھک گئی مہرباں کہتے کہتے

نثار فاطمہ کبریٰ

شکوے گلے کیے نہ فغاں کی نہ آہ کی
کیونکر اڑی خبر مرے حال تباہ کی

جاکے تو اپنے ہوا خواہوں کا دل ٹھنڈا کر
خانہ بربادوں سے کیا چھیڑ نسیم سحری

ز۔خ۔ش

مژدہ باد اے جذبۂ خاموش شوق
اک تجلی آج زیرِ بام ہے

جبین حسن پر سرخی سی دوڑی
نگاہِ آرزو نے کر دیا کیا

رابعہ پنہاں

کب اس جہاں سے چاہ کیے جارہی ہوں میں
جب تک نبھے نباہ کیے جا رہی ہوں میں

منور ایک ہی جلوہ سے جنگل اور بستی ہے
نگاہِ شوق پر اب تک ترستی کی ترستی ہے

انیسہ بیگم شروانی

بہت دشوار ہے ایوانِ الفت کا گرا دینا
بہت گہری دلوں میں عشق کی بنیاد ہوتی ہے

قطرہ قطرہ نوح کا طوفان ہے
دیدۂ تر میں مرے دریا ہے ہیچ

محمودہ خاتون محمودہ

جو لذت میسر ہے ذوق طلب میں
نہیں اس سے واقف ترے عرش والے

فرشتے بھی نہ تھے واقف کہ یوں بن جائے گی دنیا
نہاں رازِ حیات دہر تھا گندم کے دانوں میں

بشیر النساء بیگم بشیر

آپ کی بے التفاتی سے شکایت تھی مجھے
جب محبت سے ملے سارا گلہ جاتا رہا

الزام محبت کا ناحق مجھے دیتے ہیں
پوچھو تو پڑی کس کی دزدیدہ نظر پہلے

صالحہ بیگم مخفی

عصمت چغتائی

آدھی عورت......آدھا خواب

باکمال افسانہ نگار کی فکر انگیز تحریر

عورت......عورت......عورت

بری، اچھی، بے وفا، باوفا' ایسی ویسی اور خدا معلوم کیسی کیسی......

ہر ملک اور ہر زمانے میں بڑے بڑے مفکروں نے عورت کے بارے میں کوئی نہ کوئی رائے ضرور قائم کی ہے، کوئی صاحب اس کے حسن پر زور دے رہے ہیں تو کوئی اس کی پارسائی اور نیک سیرتی پر مصر ہیں، ایک صاحب کا خیال ہے کہ ''خدا کے بعد عورت کا مرتبہ ہے'' تو دوسرے صاحب اسے ''شیطان کی خالہ'' بنانے پر تلے ہوئے ہیں۔

ایک صاحب فرماتے ہیں ''ایک دھوکے باز مرد سے ایک دھوکے باز عورت زیادہ خطرناک ہوتی ہے'' جیسے کوئی یہ کہے کہ ایک کالے مرد سے ایک کالی عورت زیادہ کالی ہوتی ہے۔ کس قدر شاندار بات کہی ہے کہ بس جھوم اٹھنے کو جی چاہتا ہے اور اگر میں خود عورت نہ ہوتی اور ان اقوال نے مجھے بوکھلا نہ دیا ہوتا تو کہنے والے کا منہ چوم لیتی، مصیبت تو یہ ہے کہ ان نامعقول مقولوں نے مٹی گم کر رکھی ہے۔

مردوں نے کہا: ''مرد ظالم ہوتا ہے'' ۔ وہ چپ چاپ ظلم سہنے لگیں۔

مردوں نے کہا: ''عورت ڈرپوک ہوتی ہے'' وہ چوہیا تک سے ڈرنے لگیں۔

پھر فرمایا: ''وقت پڑے تو عورت جان پر کھیل جاتی ہے'' بس پھٹ سے جان پر کھیل گئیں۔

ماں کی ممتا کا ساری دنیا ڈھول پیٹتی ہے، باپ کی چتا کا رونا کوئی نہیں روتا، عورت کی عزت لٹ سکتی ہے، مرد کی نہیں لٹتی، شاید مرد کی عزت ہی نہیں ہوتی جو لوٹی کھسوٹی جا سکے۔ عورت کے حرامی حلالی بچہ ہوتا ہے، مرد کے کچھ نہیں ہوتا۔

صدیوں سے عورت کے سر ایسے اوٹ پٹانگ الزام تھوپ کر مفکرین اسے بوکھلانے کی کوشش کرتے آئے ہیں، یا تو وہ اسے آسمان پر چڑھا دیتے ہیں یا کیچڑ میں پٹخ دیتے ہیں، مگر برابر کھڑا کرتے ہوئے ان کا دم نکلا جاتا ہے۔ اسے دیوی اور آسمانی مخلوق بنا دیں گے مگر دوست اور ساتھی کہتے شرماتے ہیں۔

سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ احساس کمتری ہے یا مغالطہ۔ آخر انھیں عورت کی برابری سے کیوں ڈر لگتا ہے۔ وہ بھی تو انسان ہوتی ہے۔ اسے برابر بٹھاتے کیوں گھبراہٹ ہوتی ہے۔ کیا مرد ایک گھڑی کے لیے یہ نہیں بھول سکتا کہ برابری کے لازمی معنی کمتری کے نہیں ہیں۔ سب کو معلوم ہے کہ عورت، ماں، بیٹی، بیوی اور بہن ہی بن سکتی ہے۔ باپ، بیٹا، میاں اور بھائی نہیں بن سکتی پھر کیوں بار بار کہتے ہیں کہ وہ اسی لیے پیدا ہوئی ہے، کیا عورت کو اتنا بھی معلوم نہیں کہ وہ عورت ہے جو مسلسل اسے بتایا جا رہا ہے؟

یا شاید مرد جانتے ہیں کہ ماں اور بیوی بننا لوہے کے چنے چبانا ہے، اس لیے عورت کے دماغ میں ٹھوکے جاتے ہیں کہ وہ بنی اسی مصرف کے لیے ہے۔ اسے اسی پر فخر کرنا چاہیے کہ یہی مزے کا عہدہ ہے۔

عورت بیوہ ہو جاتی ہے تو اس کی چوڑیاں توڑ دیتے ہیں، مگر مرد کی گھڑی یا حقہ توڑنے کا کبھی کسی کو خیال نہ آیا۔ بیوی لباس میں بھی تبدیل کرنے پر مجبور ہوتی ہے، رنگا دوپٹہ پہنے یا ہاتھوں میں چوڑیاں ڈال لے تو لوگوں کے کلیجے پھٹ جائیں، مرد وہی سوٹ بوٹ، اچکن، انگرکھا ڈالے پھرتا ہے — کیسی بے رحمی ہے کہ دکھاوے کے لیے بھی سوگ نہیں مناتا۔

ایک صاحب فرماتے ہیں کہ عورت کی شان یہی ہے کہ دنیا اس سے ناآشنا ہو، شوہر کی محبت اس کا بیش بہا خزانہ ہوتا ہے اور اس کا چھوٹا سا خاندان اس کی دنیا۔ کیوں صاحب اگر کسی عورت کی شہرت ہوتی ہے تو وہ آپ کے حصے کی شہرت تو نہیں چھینتی اللہ کی دین ہے، اس میں آپ کو

کیوں تکلیف محسوس ہوتی ہے؟

بیوی جاہل ہو تو کوئی مضائقہ نہیں میاں بیوی سے کم پڑھا لکھا ہو تو بس اندھیر ہو جائے گا چونکہ کسی بڑے مدبر کے قول پر آنچ آ جاتی ہے، ڈاکٹر نائیڈو کو جب ''مسز سروجنی نائیڈو کے شوہر'' کہا جاتا تھا تو بہت کھسیانے ہو جاتے تھے دنیا میں کروڑوں عورتیں اپنے شوہر کی بیوہ بن کر مزے سے رہتی ہیں انھیں احساس کمتری نہیں ہوتا مرد کے کان میں پیدا ہوتے ہی پھونک دیا جاتا ہے کہ وہ برتر ہے اور اس کی معصومیت دیکھیے کہ وہ واقعی یقین کر لیتا ہے کہ وہ دنیا کی لائق ترین عورت سے بلند ہے۔ صرف اس لیے کہ وہ پھر جب اسے اپنے سے زیادہ تعلیم یافتہ اور عقلمند عورت ملتی ہے تو وہ اس سے نفرت کرتا ہے کیونکہ اس وقت وہ خود کو دھوکا نہیں دے سکتا۔

ایک اور صاحب فرماتے ہیں ''اگر عورت کے دل کو چیرا جائے تو اس میں تحمل، صبر و برداشت، پوشیدہ قربانیوں اور نادیدہ خوبیوں کے سوا کچھ نہ ہوگا۔''

ایک صاحب فرماتے ہیں ''جب بچہ پہلی بار ماں کی چھاتی سے دودھ پیتا ہے تو وہ مسرت کے مارے لال ہو کر کانپنے لگتی ہے۔''

خواتین نے فوراً تاڑ لیا ہوگا کہ فرمانے والے صاحب مرد ہیں اور انھوں نے جو کچھ لکھا ہے، سنی سنائی ہے۔ یقیناً انھوں نے خود کبھی کسی بچے کو دودھ نہیں پلایا اور نہیں جانتے کہ بچہ پہلی بار دودھ پیتا ہے تو کتنی تکلیف ہوتی ہے، ماں جو لال پڑ کر کانپی ہوگی وہ قطعی محبت اور راحت کی لرزش نہیں ہوگی، کرب سے رنگ بدل گیا ہوگا۔

یہ میں اس لیے کہہ رہی ہوں کہ مرد خواہ مخواہ الٹے سیدھے مقولے ٹھونکتے رہتے ہیں۔ اتنا بھی نہیں سوچتے اب عورتیں بھی بقول ان کے نری عورتیں نہیں رہیں، بہت کچھ معلومات حاصل کرنے لگی ہیں اب اس قسم کے گھسے پٹے جملوں سے جھانسے میں نہیں آئیں گی۔ سیدھے سادی تمیز کی بات کیجیے، عورتوں کو عورتوں سے زیادہ سمجھنے کا دعویٰ نہ کیجیے تو اچھا ہے۔ مفت میں پول کھلے گا بڑائی چھوٹائی کے، جھگڑوں میں پڑ کر وقت برباد کرنے کی آپ کو فرصت کہاں سے مل گئی۔ جنس اور رنگ اور نسل کا امتیاز بڑی تیزی سے مٹ رہا ہے۔ دنیا بڑی تیزی سے صنعت و حرفت کے میدان میں بڑھ رہی ہے۔ کام کرنے والوں کی مانگ بڑھ رہی ہے۔ ہر شعبے میں عورتوں کو ہاتھ بٹانا پڑ رہا ہے۔

مغربی عورت ہزاروں قسم کی گھریلو مشینوں کے باوجود روزی کمانے پر مجبور ہے۔ اس لیے خانہ داری کے کاموں میں اور بچے پالنے میں مردوں کو برابر مدد کرنی پڑتی ہے۔ اگر بیوی رکابیاں دھوتی ہے تو میاں جھاڑو دیتا ہے۔ بیوی بچھونے لگاتی ہے تو میاں بچے کو دودھ کی بوتل تیار کر کے پلاتا ہے۔ دونوں مل کر ناشتہ اور کھانا بناتے ہیں۔ بچوں کو تیار کرتے ہیں پھر خود کام پر جاتے ہیں جو عورت کام پر نہیں جاتی وہ خالی بیٹھ کر گپیں نہیں مارتی دھلائی کرتی ہے۔ استری کرتی ہے اور گھر کا سودا لاتی ہے۔ وقت بچ جاتا ہے۔ اس لیے پارٹ ٹائم کام بھی کرتی ہے۔ اس پر بھی یہ حال ہے کہ مشکل سے پورا پڑتا ہے۔

مگر ہمارے یہاں کے مرد لمبے چوڑے مقولوں کے لٹھ لیے عورتوں کو ہانکے جا رہے ہیں چاہے کتنی تنگی ترشی ہو، بیوی گھر کی زینت بنی بیٹھی رہے، میاں چرخہ ہو جائیں گے مگر ناک سلامت رہے۔ بیوی نسوانیت کا پٹارہ سنبھالے بیٹھی رہے چاہے بچوں کو فیس نہ لانے پر شرمندگی اٹھانی پڑے۔ بنیا قرض مانگ مانگ کر میاں کا ناطقہ بند کر دے مگر چونکہ کوئی بڑے میاں کہہ کر مرے تھے کہ ''عورت کی دنیا اس کا گھر ہے'' تو بس عورتیں لکیر کی فقیر بنی گھر کا گھروا کرتی رہیں گی۔

سب سے زیادہ اقوال زریں عورت کی پارسائی اور پاکیزگی کے بارے میں ارشاد ہوئے ہیں۔

فرماتے ہیں کہ: ''عورت کو قدرت نے کچھ اس طرح بنایا ہے کہ وہ صرف ایک سے محبت کرتی ہے اور اسی پر قربان ہو جاتی ہے۔''

اور مرد؟

مرد کی خصلت میں تنوع ہے وہ ہر دم نئی عورت کی طرف راغب ہو جاتا ہے۔

کیوں حضرت! یہ اطلاع آپ کو کس نے دی؟ عورت کی خصلت بھی آپ کے مطلب کے مطابق ڈھال لی گئی، تاکہ آپ اطمینان سے خصلت کے سر پر الزام تھوپ کر رنڈی بازی کریں اور بیوہ کے پیروں میں اسی کی بیڑیاں ڈال دیں کہ خلاف قدرت بات کر کے پڑوسی سے دیدے نہ لڑانے لگے اور اس طرح لطافت نسوانی نہ کھو بیٹھے۔ عورتوں نے آنکھ لڑانا چاہی تو مردوں کو پتہ بھی نہ چلا۔ وہ یہی سمجھتے رہے کہ عورتیں نیک اور پارسا ہیں یہی ان کی خصلت ہے پھر کیا ڈر ہے مگر کوئی ان سے پوچھے آپ سے کس نے کہا کہ عورت ایک بار محبت کرتی ہے؟

یہ سب ڈھکوسلے کی باتیں ہیں، زمانہ بدل رہا ہے اور ان مقولوں سے رو کے رکنے والا نہیں ہے۔ زندگی کی قدریں اچھے یا برے رخ بدل کر رہیں گی۔ خواہ ہم کتنا ماتم کریں۔ حالات عورت کو گھر میں سکون سے نہیں بیٹھنے دیں گے۔ ہمیں سوچنا چاہیے کہ جب مجبوراً ہم اپنی بہن، بیٹی، ماں

اور بیوی کو مردوں کے دوش بدوش کام کرنے پر بھیجنے کے لیے مجبور ہو جائیں گے تو ہمیں ان کی کس قسم کی تربیت کرنا چاہیے۔ آیا ہم انھیں ان پرانے اقوال کے مطابق شرم و حیا کو قائم رکھنے کی اور ہر وقت نسوانیت کے احساس میں غرق رہنے کی تلقین کریں یا یہ سمجھائیں کہ جب کام پر جاؤ تو اپنی نسوانیت اور ناز نخرے ساتھ مت لے جاؤ۔ وہاں نسوانیت کے بل بوتے پر نہیں اپنی محنت سے اپنا کام کرو تو بہتر ہے کہ تمھارے ساتھ کام کرنے والے یہ محسوس نہ کریں کہ تم عورت ہو بلکہ تمھیں اپنا ساتھی سمجھ کر کام سے کام رکھیں، آخر کو وہ مرد ہیں تم عورت ہو۔ اسے جان جان کر نہ جتاؤ تاکہ تم دونوں کا ذہنی سکون قائم رہے اور ایک دوسرے کی طرف متوجہ ہونے کے بجائے کام کی طرف لگو۔

مغربی ممالک میں عورتیں مردوں کے دوش بدوش کام کرتی ہیں مگر ضرورت سے زیادہ اپنی نسوانیت کا ڈھول پیٹتی ہیں، گھڑی گھڑی میک اَپ کرتی ہیں، بال سنوارتی اور ڈیٹ یعنی دعوت حاصل کرنے کے لیے وہ تمام ناز و انداز استعمال کرتی ہیں جو اخباروں اور رسالوں کے ذریعے ان تک پہنچتے ہیں، وہاں کے رسالوں میں ہزاروں مصنوعات اور خوشبوئیں صرف مردوں کو پھانسنے کے پھندے ظاہر کیے جاتے ہیں وہاں کی عورت کے دل میں بھی یہی بٹھا دیا گیا ہے کہ ان کی زندگی کا صرف ایک مقصد ہے کہ انھیں کوئی چاہے ان سے شادی کر کے بچے بخشے مگر کتنی لڑکیاں ہیں جو رسالوں کے بتائے ہوئے نسخے استعمال کر کے زندگی کے ان خوابوں کی تعبیر پالیتی ہیں۔ زیادہ تر تو ایسی ہوتی ہیں کہ مردوں کو ورغلاتی ہیں اور خود ان کا شکار ہو جاتی ہیں اور ساری عمر پریوں کے شہزادے کے انتظار میں گزار دیتی ہیں۔

میں نے روس میں عورتوں کو ہر شعبے میں کام کرتے دیکھا کسی کے منہ پر نہ میک اَپ تھا اور نہ ہی بال بنے ہوئے تھے، زیادہ تر بالکل مردوں کی طرح وردیاں پہنے تھیں کہ پہچانا مشکل تھا، بالکل مرد معلوم ہو رہی تھیں۔ مجھے یہ بات بڑی خراب معلوم ہوئی کہ یہ نسوانیت کا خون ہو رہا ہے۔

میں نے پوچھا تو ہماری ساتھی نے بتایا کہ ”ہم نہیں چاہتے کہ یہاں کام کے وقت کوئی نسوانیت یا مردانگی کا مظاہرہ کرے۔“

”کیوں؟ تب تو یہ مشین بن جائیں گی؟“

”تو اور اچھا ہے...... آپ کیا مشین کو کوئی حقیر سمجھتی ہیں؟ ہاتھوں کی بنائی مشین پتھر سے تراشے ہوئے بت سے کچھ کم مقدس ہے اور اگر وہ پتھر ہماری سنتا ہے تو یہ مشینیں بھی ہماری ان داتا ہے، ہمیں گائے بیل سے زیادہ پیاری ہیں کیونکہ انھیں ہم نے خود بڑی محبت سے بنایا ہے۔ اب اگر ہم ان جیسے ہو جائیں اور اتنی ہی شرافت اور ایمانداری سے کام کریں تو ہماری زندگی کا مقصد پورا ہو جائے۔ ان مشینوں میں نہ عورتیں ہیں اور نہ مرد ایسے ہی ان کے چلانے والوں کی بھی کوئی ضرورت نہیں سب مزدور ہیں، سب مشینیں......“

مگر رات کو ضیافت کے وقت میں نے دیکھا ان مشینوں میں جان پڑ گئی تھی اور زندگی اور انسانیت کا حق بھرپور طریقے پر ادا ہو رہا تھا۔

کارخانے میں کہیں لوہا گلانے کی مشین تھی کہیں ڈھالنے کی کہیں ماشا تھی۔ تو کہیں تماشا تھی، ایک طرف پرزے ڈھالنے کی مشینیں تھیں تو دوسری طرف یوری تھا اور ویرا تھی۔

جب یہ معلوم ہے کہ آج نہیں تو کل عورتیں کو مردوں ہی کے ساتھ کام کرنا ہے تو ہمیں یہ اقوال بھول کر نئے اقوال بنانا پڑیں گے۔

1۔ کالج اور اسکول میں تم نہ ماں ہو نہ بیٹی ہو، نہ معشوقہ، صرف طالب علم ہو اور باقی پروفیسر اور طلبا ہیں۔

2۔ دفتروں میں تم نہ محبت، باوفا ہو نہ بے وفا، سیدھی طرح کام کرو اور نخرے بھول جاؤ۔

3۔ تمھارے گرد جو لوگ بھی بیٹھے ہیں سب انسان ہیں، نہ مرد ہیں نہ عورتیں افسر ہیں یا کلرک یہ میز ہے، یہ کرتی اور چپراسی تم نہ کمزور ہو نہ طاقتور، نہ صنف نازک نہ صنف کرخت تمھارا وہی کام ہے، جس کے لیے تنخواہ لیتے ہو، جب تک پیشہ نہ بدل لو تمھیں قدرت نے اسی مصرف کے لیے پیدا کیا ہے، یہاں شوہر یا بیوی پھانسنے نہیں صرف کام کرنے آئے ہو جسمانی یا دماغی طاقت یا کمزوری سے نہ فائدہ اٹھاؤ نہ کسی کا نقصان کرو۔

4۔ صرف شادی ہی تمھاری منزل نہیں کیونکہ شادی کر لینا منزل پر پہنچنا نہیں، اسے نبھانا اصل لمبی سڑک ہے۔

مگر گرودیو کہتے ہیں ”اے عورت، تو آدھی عورت ہے آدھا خواب!“

کسی نے ان کی بیگم سے رائے لی ہوتی تو شاید یہی کہتیں کہ گرودیو خود پورے کے پورے خواب تھے اور خواب کی حسین ترین تعبیر بھی!

مگر ”عورتیں پیغمبر نہیں ہوتیں“...... ”عورتیں نبی نہیں ہوتی“...... ”عورتیں مجذوب نہیں ہوتی۔“

تو پھر کوئی اٹھ کر کہہ کیوں نہیں دیتا کہ ”عورتیں عورتیں نہیں ہوتیں!“

ایم مبین

چاند بی بی

(منظر: چاند بی بی کمر سے تلوار باندھے اسٹیج پر آتی ہے۔)

چاند بی بی : لوگوں نے ایک محاورہ بنالیا ہے۔ شاہانہ زندگی گزارنا۔ پتہ نہیں یہ محاورہ کس طرح بن گیا؟ اور کس نے بنایا؟ اس محاورے کو بنانے والے کا مقصد تو اس سے یہی ظاہر کرنا ہوگا کہ شاہی خاندان کے لوگ بڑے عیش و آرام سے رہتے ہیں۔ ان کو کسی بات کی فکر نہیں ہوتی ہے۔ انھیں زندگی کا ہر عیش و آرام میسر ہوتا ہے۔ وہ بے خوف و خطر اپنی زندگی بسر کرتے ہی۔ (ہنستی ہیں) لیکن شاید اس محاورے کو بنانے والے نے کبھی شاہانہ زندگی دیکھی نہیں تھی۔ ورنہ وہ کبھی یہ محاورہ نہیں بناتا۔ میں چاند سلطانہ، جس کو لوگ چاند بی بی کے نام سے جانتے ہیں احمد نگر کی حکومت کے شاہی خاندان سے تعلق رکھنے والی ایک شہزادی۔ عادل شاہی خاندان کی بہو، علی عادل شاہ کی بیوی۔ میں نے اپنی زندگی کس شاہانہ ٹھاٹھ سے گزاری ہے سننا چاہیں گے؟

آیئے آج آپ کو میں اپنی زندگی کے بارے میں بتاتی ہوں۔ میری زندگی کی کہانی سنیے اور پھر فیصلہ کیجیے کہ یہ شاہانہ زندگی کیا ہے؟ شاہانہ زندگی بہتر ہے یا آپ عام لوگوں کی زندگی بہتر ہے۔

1550 کو میری پیدائش احمد نگر کے حکمراں حسین نظام شاہ کے گھر ہوئی۔ میری ماں کا نام خونزہ تھا۔ یہ تو سبھی جانتے ہیں کہ میری پیدائش کے وقت دہلی پر مغلوں کی حکومت تھی اور دکن میں پانچ شاہوں کی حکومت۔ عادل شاہی، نظام شاہی، قطب شاہی، برار شاہی اور بیدر شاہی۔

یہ سارے حکمراں مسلم تھے۔ لیکن ان میں کبھی آپس میں نہیں بنی۔ ایک دوسرے سے ہمیشہ لڑتے رہتے تھے۔ ایک دوسرے کے جانی دشمن تھے۔ ہمیشہ ایک دوسرے کو نقصان پہنچانے کی فکر میں رہتے تھے۔ کبھی کبھی تو ایک دوسرے کو نقصان پہنچانے کے لیے ایک دوسرے کے دوست بھی بن جاتے تھے اور دوسرے کو مل کر نقصان پہنچاتے تھے۔ کام ہوجانے کے بعد پھر جیسے تھے۔ میرے والد حسین نظام شاہ ایک ایسے حکمراں تھے جنھوں نے اپنا دبدبہ قائم رکھا تھا۔ لیکن ان پانچوں میں سے کوئی بھی ان کا دوست نہیں تھا۔ دوستی کے رشتے بنتے بگڑتے رہتے تھے۔

جب میرے والد حسین نظام شاہ نے میری بہن جمال بی بی کی شادی گولکنڈہ کے قطب شاہی کے حاکم قطب شاہ سے کردی تو یہ رشتہ رشتہ داری میں تبدیل ہوگیا اور دو شاہی گھرانوں کی دوستی ہوگئی۔ لیکن اس رشتے کو بیجاپور کے عادل شاہی کے حکمراں علی عادل شاہ نے پسند نہیں کیا۔ دو سلطنتوں کے درمیان رشتہ داری کا مطلب ہے دونوں کی دوستی، دو قوتوں کا یکجا ہوجانا اور یکجا ہوکر ایک بڑی قوت بننا جو دوسروں کو نقصان پہنچا سکتی ہے۔

عادل شاہ نے اس طاقت کو توڑنے کے لیے وجے نگر کے راجہ رام کو اپنا دوست بنایا اور اس نے میرے والد سے ان کے دو قلعے کلیان اور شولاپور کو اسے دے دینے کے لیے کہا۔ قلعے نہ دینے کی صورت میں جنگ کی دھمکی دے دی۔

یہ دونوں قلعے بہت اہم قلعے تھے۔ میرے والد ان قلعوں کو علی عادل شاہ کو نہیں دے سکتے تھے اس پر عادل شاہ اور راجہ رام نے احمد نگر پر حملہ کرنے کا منصوبہ بنالیا اور پچاس ہزار گھوڑ سوار دو لاکھ پیدل فوج کے ساتھ احمد نگر پر حملہ کیا۔

اس لشکر کو روکنے کے لیے میرے والد حسین نظام شاہ اپنا لشکر لے کر آگے بڑھے۔ ان کا ساتھ قطب شاہی حکمراں قطب شاہ نے دیا۔ کیونکہ اس سے ہماری رشتہ داری تھی۔ لیکن جب مقابلہ کا وقت آیا تو سامنے اتنا بڑا لشکر دیکھ کر وہ گھبرا گیا اور آدھی رات کو جاکر عادل شاہ سے مل گیا۔ میرے والد نے جب یہ منظر دیکھا تو وہ میدان جنگ سے اپنے فوجیوں کے ساتھ واپس احمد نگر لوٹ گئے۔ عادل شاہ اور اس کی فوجوں نے احمد نگر کے قلعہ کا محاصرہ کرلیا۔ میرے والد نے قلعہ اور فوج لوگوں کے حوالے کیا اور اپنے خاندان کے تمام افراد کو لے کر ہماری حکومت میں شامل ایک اور قلعہ جنّر کی طرف چل دیے۔

احمد نگر قلعہ کا محاصرہ کئی دنوں تک جاری رہا۔ اس دوران بارش شروع ہوگئی اور بارش شروع ہونے کی وجہ سے عادل شاہی فوج کو رسد ملنی

بند ہوگئی۔ علی عادل شاہ نے سوچا۔ اس فتح کے بعد راجہ رام کی طاقت بڑھ جائے گی اور وہ عادل شاہ کے لیے خطرہ بن جائے گا اس بات سے عادل شاہ کو آگاہ کرانے کے لیے اور صلح کے لیے میرے والد کے پاس عادل شاہ نے مصطفیٰ خان کو سفیر بنا کر بھیجا۔ اس میں یہ شرط رکھی کہ ہم اس محاصرے کو اٹھا کر واپس بیجاپور لوٹ جاتے ہیں اس کے بدلے میں چاند بی بی کا نکاح علی عادل شاہ کے ساتھ کر دیا جائے اور عادل شاہ کی بہن کا نکاح میرے بھائی مرتضیٰ نظام شاہ کے ساتھ کر دیا جائے اور چاند بی بی کے جہیز میں کلیان اور شولا پور کے قلعے دے دیے جائیں۔

میرے والد اس صلح اور رشتہ کے لیے راضی ہوگئے اور میرے جہیز میں انھوں نے کلیان کا قلعہ دینا منظور کرلیا۔ جو عادل شاہ نے خوشی خوشی منظور کرلیا۔ اور اس طرح صرف 41 سال کی عمر میں میرا نکاح بیجاپور کے حکمراں علی عادل شاہ کے ساتھ ہوگیا اور دو سلطنتوں کے درمیان مضبوط رشتہ قائم ہوگیا۔ ان کو جوڑنے والے پل کا کام میں نے کیا اور میں اپنے سسرال بیجاپور چلی آگئی۔ میکہ سے سسرال چلے آنے کے بعد پہلے پہل تو ہر لڑکی کو کچھ عجیب سا لگتا ہے ایک شناسا ماحول سے نکل کر ایک اجنبی ماحول میں آنا اور میں تو ایک دوسرے علاقے میں چلی آئی تھی اپنے گھر سے ہزاروں میل دور۔ وہاں کا ماحول، وہاں کی تہذیب، طور طریقے ان کو سمجھنے میں مجھے تھوڑا وقت لگا۔

لیکن دھیرے دھیرے میں اس ماحول سے آشنا ہوگئی۔ امور سلطنت میں میری دلچسپی تو شروع ہی سے تھی علی عادل شاہ میرے شوہر تھے اس وجہ سے میں اور زیادہ حکومت کے حالات سے باخبر رہنے لگی۔ اکثر حکومت کے مسائل پر ہماری گفتگو ہوتی رہتی تھی۔ اس کو میں غور سے سنتی اور جو کچھ میری سمجھ میں آتا اس کے مطابق علی کو مشورے بھی دیتی تھی۔ اب علی ان پر کتنا عمل کرتے تھے اس کا تو مجھے علم نہیں ہوتا تھا۔ لیکن وہ مجھے ہر بات بتاتے تھے یہی میرے لیے بڑے فخر کی بات تھی۔

ملک کے سیاسی حالات اس زمانہ میں بڑے الجھے ہوئے تھے۔ شمال میں مغلوں کی حکومت تھی۔ شہنشاہ اکبر ایک شہنشاہ کی طرح سارے ملک پر قبضہ کر کے حقیقت میں شہنشاہ بننا چاہتا تھا۔ دکن کی مسلم ریاستیں آپس میں ایک دوسرے کی جانی دشمن بنی ہوئی تھیں اور اس کی وجہ سے راجہ رام کی کرشن دیورائے کی ریاست کی قوت بڑھتی ہی جارہی تھی۔ راجہ رام کسی کو خاطر میں نہیں لاتا تھا وہ ہر کسی کو حقیر نظروں سے دیکھتا تھا اور اس کے ساتھ حقارت بھرا سلوک کرتا تھا۔ بھلے ہی عادل شاہی حکومت سے اس کی دوستی ہو لیکن اس نے کبھی بھی عادل شاہی حکومت کو دوستوں سی عزت نہیں دی۔ وہ اپنی طاقت کے نشہ میں چور تھا اور جب چاہتا تھا کسی بھی ریاست کیکسی بھی علاقہ کو اپنی حکومت میں شامل کرلیتا تھا۔ اس طرح وہ ساری ریاستوں کے لیے خطرہ بنتا جارہا تھا اور اس خطرے کو ساری ریاستوں والے اچھی طرح محسوس کررہے تھے۔

اس خطرے سے نپٹنے کے لیے تمام حکومتوں نے ایک ہو جانے کا فیصلہ کیا اور کرشن دیورائے چولا سمراٹ کو ختم کرنے کے لیے منصوبہ بنایا گیا۔

یہ طے کیا گیا کہ ساری حکومتوں کی طرف سے ایک سفیر راجہ رام کے پاس بھیجا جائے اور اس سے مطالبہ کیا جائے کہ اس درمیان اس نے جتنے بھی تمام ریاستوں کے علاقوں پر قبضہ کرلیا ہے ان کو واپس کردے اور اس بات کا وعدہ کرے کہ مستقبل میں وہ کبھی کسی راست کا علاقہ نہیں ہتھیائے گا۔

سفیر راجہ رام کے دربار میں گیا اور اس کا جو انجام ہوا اس بات کا سبھی کو اندازہ تھا۔ راجہ رام نے سفیر کی سخت بے عزتی کی اور اسے بڑی بے عزتی سے دربار سے یہ کہہ کر نکال دیا کہ تم لوگ اپنے علاقوں کی بات کرتے ہو اب تمہاری ساری حکومتیں میرے سامراج کا حصہ ہوگی۔

راجہ رام کے اس جواب کے بعد پانچوں حکومتوں کی متحدہ فوج اس پر حملہ کرنے کے لیے وجے نگر کی طرف چل دی۔ وجے نگر کے درمیان دریائے کرشنا بہتا تھا جس کا پاٹ بہت چوڑا تھا کسی بڑی فوج کا اس کو آسانی سے پار کرنا نہایت مشکل کام تھا۔

راجہ رام کو جب اتحادی فوجوں کے کوچ کی خبر ملی تو اس نے بھی اپنے بھائی تمراج کو 20 ہزار گھوڑے سوار پانچ سو ہاتھی اور ایک لاکھ کا لشکر دے کر دریائے کرشنا کی طرف روانہ کیا۔ تمراج کی فوجیں دریائے کرشنا کے ان تمام گھاٹوں پر جمع ہوگئیں جہاں سے اتحادی فوجیں آسانی سے حملہ کرسکتی تھیں اور ان کے دریا پار کرنے کے تمام راستے بند کردیے۔ ایسی حالت میں اتحادی فوجوں کے لیے دریا پار کرنا بہت مشکل کام تھا۔ انھیں اس بات کا پورا اندازہ تھا کہ انھیں سخت مزاحمت کا سامنا کرنا پڑے گا اور ان کا بہت زیادہ جانی و مالی نقصان ہوگا۔ اس لیے دریا پار کرنے کا دوسرا راستہ تلاش کیا جائے گا۔ لیکن مشکل یہ تھی کہ راجہ رام نے اپنے دوسرے بھائی کو بھی کثیر لشکر دے کر دریا کے کنارے بھیج دیا تھا۔ کوئی ایسا راستہ نہیں تھا جس سے راجہ رام کی فوجوں کا سامنا کیے بنا لشکر پار اتارا جائے اس وقت اتحادی فوجوں نے ایک چال چلی۔ انہوں نے دریا کے پار راجہ رام کے لشکر میں جاسوسوں کے ذریعہ یہ خبر پھیلا دی کہ انھیں ایک آسان راستہ دریا پار کرنے کا مل گیا ہے اور ساری فوج اس راستہ سے دریا پار کرنے

والی ہے۔ اس کے ساتھ ہی اتحادی فوجوں نے دریا کے کنارے کنارے کوچ کرنا شروع کر دیا۔ کرشن دیورائے راجہ رام کی فوج سمجھی کہ اتحادیوں کو کوئی راستہ مل گیا ہے اور وہ اس راستہ کی طرف جا رہی ہے تو انھوں نے بھی پڑاؤ اٹھا کر دریا کے دوسرے کنارے اتحادی فوجوں کے ساتھ ساتھ چلنا شروع کیا۔ تین دنوں تک دریا کے دونوں کناروں پر دونوں فوجیں چلتی رہیں۔ تیسرے دن جیسے ہی رات ہوئی دونوں فوجوں نے آرام کرنے کے لیے پڑاؤ ڈالے، راجہ رام کی فوج تو آرام کرنے لگی مگر اتحادی فوجیں پوری رفتار کے ساتھ پلٹ کر واپس جانے لگیں۔

فوجوں نے جو راستہ تین دن میں طے کیا تھا واپسی میں وہ راستہ صرف بارہ گھنٹے میں طے کر دیا اور اس گھاٹ پر پہنچ گئے جہاں انھوں نے پہلے پڑاؤ ڈالا تھا اور اس جگہ سے ان کو دریا پار کرنا تھا۔ ان کا مقابلہ اور مزاحمت کرنے والا کوئی نہیں تھا اس لیے ساری فوج بڑی آسانی سے دریا پار کر کے دوسرے کنارے پر پہنچ گئی۔ راجہ رام کی فوجوں کو جب اس چال کا پتہ چلا تو وہ بھی واپس لوٹی مگر ان کی رفتار بہت سست تھی۔

اور اس طرح ایک جگہ ایک بڑے سے میدان میں دونوں فوجیں آمنے سامنے آگئیں۔ اصول کے مطابق لشکر کے تین حصے کیے گئے۔ دائیں بائیں اور درمیان۔ درمیانی حصہ میرے والد حسین نظام شاہ نے سنبھالا۔ راجہ رام نے بھی دائیں بائیں والے لشکر کے مقابلے کے لیے اپنے دونوں بھائیوں کو لگا دیا اور درمیانی حصہ خود اس نے سنبھالا۔

وہ میدان جنگ میں اپنے تخت کو ساتھ لایا تھا۔ وہ تخت پر بیٹھ کر جنگ کی تیاریوں کا جائزہ لے رہا تھا۔ اس کے کئی ملازم اس تخت کو اپنے کاندھے پر اٹھائے پھرتے تھے اس کے مشیروں نے اس سے کہا بھی کہ یہ جنگ کا میدان ہے آپ تخت سے اتر جائیں اور گھوڑے پر سوار ہو کر تیاریوں کا جائزہ لیں۔ لیکن اس نے ان کی بات نہیں مانی اور ڈینگ ہانکی کے میں ایک گھنٹہ میں پوری اتحادی فوج کو مسل کر رکھ دوں گا۔

جنگ شروع ہونے سے پہلے اس نے اپنے سارے خزانے کی اشرفیوں کا ڈھیر اپنے خیمے کے سامنے لگا دیا اور اپنے سپاہیوں میں اعلان کر دیا کہ جو سپاہی دشمن کے جتنے سپاہیوں کو مارے گا اسے اتنی سونے کی اشرفیاں اس ڈھیر سے دی جائیں گی۔ اس کی وجہ سے راجہ رام کے فوجیوں میں ایک جوش بھر گیا اور انھوں نے پوری قوت سے اتحادیوں پر حملہ کیا۔ راجہ رام کے دونوں بھائیوں نے بھی زبردست حملہ کیا۔ شروع میں اتحادی فوجوں کے پیر اکھڑنے لگے۔ لیکن اس وقت میرے والد حسین نظام شاہ نے ایک ایسی چال چلی جس سے جنگ کا نقشہ ہی الٹ گیا۔

انھوں نے حکم دیا ان کے پاس جتنی سونے کے اشرفیاں اور سونا ہے۔ وہ توپوں میں بھر کر دشمن کی طرف پھینکی جائے اور ایسا ہی کیا گیا۔

کئی توپوں میں سونے کی اشرفیاں بھر کے دشمن کی فوج کی طرف داغی گئیں۔ راجہ رام کے سپاہیوں نے جب دیکھا کہ سونے کی اشرفیوں کی بارش ہو رہی ہے تو وہ جنگ بھول کر اشرفیاں اور سونا جمع کرنے میں لگ گئے اس وقت میرے والد نے زبردست گولہ باری شروع کر دی جس کی وجہ سے ایک آن میں ہی ہزاروں لوگ مارے گئے۔ اتحادی فوجی سونا جمع کرتے سپاہیوں پر ٹوٹ پڑے اور جنگ کا نقشہ بدل گیا۔ راجہ رام کے تخت کو جو کہار کاندھے پر اٹھا کر چل رہے تھے وہ بھی تخت چھوڑ کر بھاگے۔ راجہ رام زمین پر گرا اور بری طرح زخمی ہو گیا۔ اس وقت ایک ہاتھی سوار اس کی طرف بڑھ رہا تھا۔ سونے کے تخت کو دیکھ کر اس کے دل میں اس تخت پر قبضہ کرنے کی لالچ آئی اسی وقت راجہ رام کے ایک وفادار نے اس سے پیش کش کی اگر تم ہمارے اس راجہ کو گھوڑے یا اپنے ہاتھی پر سوار کر کے خیمہ تک لے جاؤ تو تم کو بہت سا انعام دیا جائے گا۔

ہاتھی بان کو جیسے ہی پتہ چلا کہ وہ آدمی راجہ رام ہے اس نے اسے اپنے ہاتھی کی سونڈ میں اٹھالیا اور لے جا کر اتحادی بادشاہوں کے سامنے رکھ دیا۔ راجہ رام جیسے ہی گرفتار ہوا۔ اتحادی بادشاہوں نے اس کا سر کاٹ کر میدان جنگ میں لٹکا دیا۔

اپنے راجہ کے مرنے کی خبر اور اس کا کٹا ہوا سر دیکھ کر چولا دو فوجیں بھاگ کھڑی ہوئیں۔ اتحادی فوجوں نے ان کا تعاقب کیا۔ وجے نگر تک لاشوں کے ڈھیر لگ گئے اور اس فتح کے بعد اتحادی فوجوں نے وجے نگر جو اس زمانہ کا ایک عظیم الشان شہر تھا اس کی اینٹ سے اینٹ بجادی۔

ایک بڑے سامراج کا خاتمہ کر دیا۔ بعد میں راجہ رام کے بھائی نے معافی مانگ کر اسے بخش دینے کی درخواست کی تو اس کو منظور کر کے اتحادی فوجیں وجے نگر کو اس کے حوالے کر کے واپس اپنے اپنے علاقوں میں لوٹ گئیں۔

لیکن اس طرح ان کا سب سے بڑا خطرہ ہمیشہ کے لیے ختم ہو گیا تھا۔ اس دوران دو ایسے واقعات ہوئے جس نے مجھے توڑ کر رکھ دیا۔ میرے والد کا انتقال ہو گیا اور ان کی جگہ میرا بھائی مرتضیٰ نظام احمد نگر کی حکومت کا حکمراں بنا۔

میرا بھائی بھلے ہی احمد نگر کا اصلی وارث تھا لیکن اس کا حکمراں بننا احمد نگر کے عوام کے ساتھ ساتھ مجھے بھی پسند نہیں تھا۔

وہ بڑا اوباش مزاج اور ظالم تھا۔ رات میں اپنے اوباش ساتھیوں

کے ساتھ شہر میں گشت پر نکلتا اور جو بھی رات میں دکھائی دیتا اس کو قتل کر دیتا تھا۔

بیجاپور میں میرے شوہر علی عادل شاہ کے چند خواجہ سراؤں کو تنگ کرنے کی وجہ سے محل کے خواجہ سرا اس کے خلاف ہوگئے اور ایک رات جب وہ اپنے کمرے میں سویا ہوا تھا ایک خواجہ سرا خنجر لے کر کسی طرح اس کے کمرے میں داخل ہوگیا اور اس نے علی عادل شاہ کا قتل کر دیا۔اس طرح میں بیوہ ہوگئی۔

ہماری اور علی عادل شاہ کی بھی کوئی اولاد نہیں تھی اس لیے حکومت کے وارث کا مسئلہ سامنے آیا۔

علی عادل شاہ کا ایک چھوٹا بھائی تھا۔ ابراہیم عادل شاہ۔ سب نے اسے بیجاپور کا حکمران بنا دیا۔تخت نشینی کے وقت اس کی عمر صرف 10 سال تھی۔ اس لیے امور سلطنت دیکھنے کے لیے مجھے اس کا نگراں مقرر کیا گیا۔

اس طرح پہلی بار بیجاپور کی عادل شاہی حکومت پوری طرح میرے ہاتھوں میں آگئی اب میں پوری آزادی اور اپنی مرضی سے اس حکومت کو چلا سکتی تھی۔

لیکن حکومت کرنا اور تخت پر بیٹھنا کبھی بھی اتنا آسان نہیں ہوتا ہے۔ یہ کانٹوں کی سیج اور کانٹوں کا تاج ہوتا ہے جو اس پر بیٹھتا ہے جو اس کو پہنتا ہے اس کو اس بات کا پتہ ہوتا ہے۔

ابھی میں نے ٹھیک طرح سے حکومت سنبھالی بھی نہیں تھی کی میرے اپنے بھائی مرتضٰی نظام نے بیجاپور سے اپنے علاقہ واپس لینے کے لیے بیجاپور پر حملہ کر دیا۔

اس وقت بیجاپور کی حکومت میں دو امراء کا بڑا دخل تھا۔ ایک کشور خان اور دوسرا مرتضٰی خان۔ انھوں نے امراء سے مشورہ کیا اور مجھے اس بارے میں بنا کچھ بتائے یا اطلاع دیے مرتضٰی نظام کے حملہ کا جواب دینے کے لیے لشکر روانہ کر دیا۔ انھیں ایسا شک تھا کہ بھائی کے خلاف شاید میں لشکر کشی کی اجازت نہ دوں اس لیے مجھ کو نہ تو اس کی اطلاع دی گئی اور نہ مشورے میں شامل کیا گیا۔

گھمسان کی جنگ ہوئی اور اس جنگ میں مرتضٰی کو شکست ہوئی۔ کشور خان نے اس جنگ کی قیادت کی تھی۔ اس نے اپنے فیصلے لیے تھے۔لیکن میں نے حکم دیا کہ اس جنگ میں جو احمد نگر کے ہاتھی مال غنیمت کے طور پر ہاتھ لگے ہیں وہ شاہی اصطبل میں داخل کر دیے جائیں جبکہ وہ ہاتھی اور سارا مال غنیمت کشور خان کے حکم سے امراؤں میں پہلے ہی بانٹا جا چکا تھا۔ میرے اس حکم سے سارے امراء میرے خلاف ہوگئے اور دربار میں میرے خلاف سازشیں ہونے لگیں۔

میں مصطفٰی خان کو پسند کرتی تھی کیونکہ وہ میرا سچا وفادار تھا۔ اس بات کا کشور خان کو پتہ تھا۔ اس نے اس کانٹے کو راستہ سے ہٹانے کے لیے میری طرف سے ایک جھوٹا فرمان تیار کیا کہ میرے حکم سے مصطفٰی خان کو قتل کر دیا جائے اور کسی طرح اس پر میری مہر بھی لگا دی۔

اور میرے اس جعلی فرمان کے رو سے میرے سب سے وفادار ساتھی مصطفٰی خان کو میرے حکم سے قتل کر دیا گیا۔

مجھے اس کے قتل کا سخت رنج ہوا۔ اس پر میں نے کشور خان کی سخت باز پرس کی اور اس کی بے عزتی کی۔ جس کی وجہ سے وہ بدلہ کی آگ میں جلنے لگا۔

ادھر میرے بھائی مرتضٰی خان نے اپنی شکست کا بدلہ لینے کے لیے دوبارہ بیجاپور پر حملہ کرنے کی تیاری شروع کر دی تھی۔ ادھر میرے خلاف کشور خان، ابراہیم عادل شاہ کو بہکایا کہ میں اپنے بھائی سے ملی ہوئی ہوں۔ بیجاپور کے راز اپنے بھائی کو دیتی ہوں۔ عادل شاہی حکومت سے غداری کر رہی ہوں۔ میں حکومت کے لیے خطرہ ہوں اس لیے مجھے بیجاپور سے دور ستارا کے قلعہ میں نظر بند کر دیا جائے۔

ابراہیم عادل شاہ کشور خان کی باتوں میں آگیا اور اس نے مجھے ستارا قلعہ میں نظر بند کرنے کا حکم دے دیا۔ مجھے اس حکم کا پتہ چل گیا تھا اس لیے میں کئی دنوں تک حرم سرا کے اپنے کمرے سے باہر نہیں نکلی۔

لیکن ایک دن زبردستی چند خواجہ سرا اور لونڈیوں کے ذریعے مجھے حرم سرا سے نکالا گیا اور لے جا کر ستارا کے قلعہ میں قید کر دیا گیا۔

میں ستارا کے قلعہ میں قید اپنی زندگی گذارنے لگی۔ وہاں میں سکون سے تھی لیکن ادھر بیجاپور میں امراء کی سازشیں پورے عروج پر تھیں۔ کشور خان کو محسوس ہوا کہ امراء کا بڑا طبقہ اس کے خلاف ہو رہا ہے تو ایک رات اس نے بیجاپور کا سارا خزانہ اپنے قبضہ میں لیا اور اسے لے کر فرار ہوگیا۔

وہ جانا چاہتا تھا احمد نگر لیکن اسے وہاں خطرہ محسوس ہوا اس لیے وہ گولکنڈہ چلا گیا۔ قطب شاہ کو اس کے فرار کی پہلے ہی خبر مل گئی تھی۔ اس لیے وہ جیسے ہی گولکنڈہ کی سرحد میں داخل ہوا اس کو گرفتار کر کے قتل کر دیا گیا۔

اس واقعہ کے بعد میری ستارا کی قید ختم کر دی گئی اور مجھے دوبارہ بیجاپور بلا لیا گیا۔ کیونکہ میرا سب سے بڑا دشمن مارا جا چکا تھا اب امور حکومت میرے ہاتھ میں تھی۔ لیکن مصیبتوں کا خاتمہ نہیں ہوا تھا۔

برار شاہی، بیدر شاہی اور قطب شاہی میں اچانک اتحاد ہوگیا۔ یہ اتحاد بیجاپور کے خلاف ہوا تھا وہ عادل شاہی سے اپنے علاقہ واپس لینا چاہتے تھے۔ اس کے لیے تینوں حکمرانوں نے مل کر ایک لشکر جرار تیار کیا اور بیجاپور پر حملہ کر دیا۔ ان کا خیال تھا کہ چاند بی بی ان کا مقابلہ نہیں کر پائے گی اور اس کو شکست ہوگی اور پوری عادل شاہی پر ان کا قبضہ ہو جائے گا۔ عادل شاہی کا نام و نشان مٹ جائے گا۔

لیکن میں اس مقابلہ کے لیے تیار تھی۔ دشمن کی فوجوں نے قلعہ کا محاصرہ کر دیا۔ قلعہ میں داخل ہونے کے لیے قلعہ کی دیواروں پر زبردست گولہ باری کی جانے لگی۔ لیکن قلعہ کی دیواریں اتنی مضبوط تھیں کہ ان پر اس مسلسل گولہ باری کا کوئی اثر نہیں ہوتا تھا۔

لیکن آخر وہ دیواریں اس مسلسل گولہ باری کا کہاں تک مقابلہ کرتی قلعہ کی ایک دیوار ڈھ گئی اور قلعہ میں ایک بہت بڑا شگاف پیدا ہوگیا اس سے دشمن کی فوجیں داخل ہونے کی کوشش کرنے لگیں۔ اس وقت میں نے اپنی ساری فوجی قوت لا کر اس شگاف کے پاس جمع کر دی۔ میرے سپاہی بے جگری سے لڑتے اور ایک بھی دشمن کو قلعہ میں داخل نہیں ہونے دیتے۔ میں خود گھوڑے پر سوار ہو کر سپاہیوں کے لباس میں سپاہیوں کے ساتھ شگاف کے پاس کھڑی رہتی۔ شام کو جنگ رک گئی۔ میں نے اپنے سارے سپاہیوں کو کام پر لگا دیا اور راتوں رات اس ٹوٹی ہوئی دیوار کو بنا کر شگاف بند کر دیا۔

ایک سال تک قلعہ کا محاصرہ رہا۔ ایک سال تک میں نے قلعہ بند ہو کر اس لشکر جرار کا مقابلہ کیا۔ آخر ان تینوں حکومتوں کے لشکر کو نامراد بیجاپور سے جانا پڑا۔

نئے حالات میں پرانی دشمنیاں بھلا کر نئے دوست بنانا بے حد ضروری تھا اور اس کے لیے مجھے احمد نگر سے اچھے تعلقات بنانا بے حد ضروری تھا۔ اس کے لیے یہ راستہ نکالا گیا کہ ابراہیم شاہ کی بہن کا نکاح مرتضیٰ نظام کے لڑکے میرے بھتیجے میرزا شاہ کے ساتھ کر دیا جائے مرتضیٰ اس کے لیے راضی ہوگیا اور خدیجہ سلطانہ کی شادی میران شاہ سے ہوگئی۔

اس شادی کے بعد برسوں بعد مجھے احمد نگر جانے کا موقعہ ملا وہاں کچھ دن رہی تو وہاں کے حالات دیکھ کر مجھے بے حد افسوس ہوا۔ کیونکہ احمد نگر کے حالات بہت خراب تھے دربار کئی گروہ میں تقسیم ہو چکا تھا ہر گروہ ایک دوسرے کے خلاف سازشوں میں مصروف تھا۔

ابراہیم عادل شاہ قطب شاہ کی لڑکی کو پسند کرتا تھا جو میری بہن کی بیٹی ہی تھی۔ ابراہیم عادل شاہ کے لیے قطب شاہ کی بیٹی کا رشتہ بھیجا گیا۔ قطب شاہ نے یہ رشتہ قبول کر لیا اور نکاح بھی ہوگیا۔

اس طرح دو بڑی طاقتوں سے رشتہ داری کے بعد بیجاپور کافی محفوظ ہوگیا تھا۔ لیکن اچانک معاملہ پھر الجھ گیا۔

اس رشتہ پر مرتضیٰ نظام آگ بگولہ ہوگیا۔ شادی اس کی بھانجی کی میرے دیور سے ہوئی تھی لیکن وہ اس رشتہ سے خوش نہیں تھا۔ اس نے قطب شاہ سے کہلا بھیجا کہ وہ اس رشتہ سے خوش نہیں ہے اس لیے میری بھانجی کی رخصتی نہ کی جائے۔ قطب شاہ نے اپنے سالے کی بات مان لی اور بیٹی کو رخصت کرنے سے انکار کر دیا۔

ابراہیم شاہ کی بیوی کی رخصتی نہیں ہو سکی اس بات سے وہ آگ بگولہ ہوگیا اور جس کی وجہ سے یہ سب ہوا تھا اس کو سبق سکھانے کے لیے احمد نگر پر حملہ کرنے کے لیے احمد نگر کی طرف بڑھا۔ مقابلے کے لیے مرتضیٰ نظام بھی لشکر لے کر احمد نگر سے نکلا۔ لیکن دونوں کی غلط فہمی اچانک دور ہوگئی۔ بات چیت پر مرتضیٰ نے بتایا اس کو اپنی بھانجی اور ابراہیم شاہ کے رشتہ پر کوئی اعتراض نہیں ہے اسے اعتراض اور غصہ اس بات پر تھا کہ اس کو اس بارے میں نہ مطلع کیا گیا اور نہ بڑا ہونے کے ناطے اس سے صلاح مشورہ کیا گیا۔

لیکن غلط فہمی دور ہوگئی دونوں لشکر واپس لوٹ گئے اور ابراہیم عادل شاہ دھوم دھام سے گولکنڈہ سے اپنی بیوی کو رخصت کرا کے واپس بیجاپور آیا۔

ادھر احمد نگر کے دربار میں امراء کی سازشیں عروج پر تھیں چند امراء نے میرے بھائی مرتضیٰ نظام کو یہ کہہ کر بہکا دیا کہ اس کا بیٹا میران شاہ خود اسے قتل کر کے حکومت حاصل کرنا چاہتا ہے۔ اس بات پر مرتضیٰ نظام کو اتنا غصہ آیا کہ وہ خود اپنے بیٹے کا قتل کرنے کے لیے نکل گیا۔ جب میران کو اس کی خبر ملی تو وہ احمد نگر سے فرار ہوگیا۔ اس طرح باپ بیٹے میں نفرت کی شروعات ہوگئی۔

دربار کی سازشیں جاری رہیں اور ایک دن مرتضیٰ نظام خود اس سازش کا شکار ہوگیا۔ اس کے باورچی نے اسے کسی امیر کے کہنے پر کھانے میں زہر دے دیا۔ اس زہر کی وجہ سے اس کی موت تو واقع نہیں ہوئی لیکن وہ بستر سے پھر اٹھ نہیں سکا اس کی اس حالت کو دیکھ کر امراء نے میران حسین کو دوبارہ بلایا اور حکومت کا کاروبار اس کے ہاتھوں میں دے دیا۔ لیکن اسی حکومت کی وجہ سے باپ بیٹے کے درمیان اتنی نفرت پیدا ہوگئی تھی کہ حکومت حاصل کرنے کے لیے اور اپنے سر پر باپ کے روپ میں منڈلاتے خطرے سے نجات حاصل کرنے کے لیے میران نے

اپنے باپ مرتضیٰ نظام کا بڑی بے دردی سے قتل کر دیا اور قتل کر کے احمد نگر کا حکمران بن بیٹھا۔

میران بھی زیادہ دنوں احمد نگر پر حکومت نہیں کر سکا۔ ایک سال بعد ہی اسے قتل کر دیا گیا۔ اور اس کے بعد وراثت کے لیے جھگڑے شروع ہوگئے۔ امراء تین گروپ میں تقسیم ہوگئے تھے اور ہر گروپ نے وارث کے طور پر الگ الگ حاکم اپنے لیے طے کر لیا تھا۔ اس وقت سارا اقتدار منجوں خان نامی ایک دکنی وزیر کے ہاتھوں میں تھا۔ اس نے احمد شاہ نامی ایک 21 سالہ لڑکے کو ولی عہد بنا رکھا تھا۔ میاں منجوں خان نے دہلی میں اکبر کو یہ پیغام دیا کہ وہ آ کر احمد نگر کے معاملہ میں ولی عہد کے مسئلے کو حل کرے۔

شہزادہ مراد اس وقت گجرات میں تھا۔ اسے حکم دیا گیا کہ وہ جا کر احمد نگر پر حملہ کر دے وہ فوراً اپنے لشکر کو لے کر احمد نگر پہنچ گیا۔ مغلوں نے جب احمد نگر کے قلعہ کو گھیر لیا تو تمام امراء کو ہوش آیا اور انھوں نے طے کیا کہ اس وقت ہم آپس کے اختلاف بھول کر مراد کے خطرے سے احمد نگر کی سلطنت کو بچانے کی کوشش کریں۔

احمد نگر کا قلعہ بڑا مضبوط تھا اکبری فوجیں لاکھ کوشش کے بعد بھی اس قلعہ میں داخل نہیں ہو پا رہی تھیں۔

اس وقت انھوں نے طے کیا کہ قلعہ میں بارودی سرنگیں لگا دیں جائیں اس طرح قلعہ کے دیوار ڈھ جائے گی اور اکبری فوج قلعہ کے شگاف سے داخل ہو کر احمد نگر پر قبضہ کر لے گی۔

اس غرض سے کل پانچ بڑی بڑی سرنگیں بنائی گئیں۔ ان میں گولہ بارود بھر کر کے انھیں اچھی طرح سے بند کر دیا گیا یہ طے کیا گیا کہ دوسرے دن جمعہ کی نماز کے بعد ان سرنگوں میں آگ لگا دی جائے۔

لیکن اکبری فوج میں محمد خان شیرازی نام کا ایک احمد نگر کا ہمدرد موجود تھا اس نے کسی طرح مجھ تک یہ خبر پہنچا دی اور مغلوں کے منصوبہ کے بارے میں بھی بتا دیا۔

جیسے ہی یہ خبر مجھ کو ملی بجلی کی تیزی سے میں نے اپنے آدمیوں کو جمع کیا اور سرنگوں کا پتہ لگانا شروع کیا۔

دو سرنگوں کا پتہ چل گیا راتوں رات ان سرنگوں سے سارا گولا بارود نکال کر انھیں بیکار کر کے دوبارہ ڈھک دیا گیا اور باقی تین سرنگوں کی تلاش شروع ہوگئی۔

لیکن شیرادا مراد نے اپنا منصوبہ بدل دیا اور اس نے عبدالرحیم جان خانہ کو بھی آگاہ نہیں کیا جو فوج کا سربراہ تھا۔ اس نے جمعہ سے پہلے ہی سرنگوں میں آگ لگا دی۔ اس وقت سرنگوں کو ڈھونڈنے کا کام قلعہ میں ہو رہا تھا۔ تینوں سرنگیں خوفناک دھماکوں سے پھٹ پڑیں جس سے سارا قلعہ لرز اٹھا۔

اتنے بڑے دھماکوں کی تاب قلعہ کی دیواریں نہیں لا سکیں اور قلعہ کی ایک دیوار ڈھ گئی اس میں 50 فٹ کا ایک بڑا سا شگاف پیدا ہو گیا اور دیوار کے ٹوٹنے سے گرنے والے ملبے کے نیچے دب کر سینکڑوں لوگوں کی جان چلی گئی۔

ٹوٹی ہوئی دیوار ایک بہت بڑا خطرہ تھا۔ اکبری فوج اسی سے قلعہ میں داخل ہونے والی تھی۔ اس لیے میں نے ساری فوجوں کو لا کر قلعہ کے شگاف کے پاس کھڑا کر دیا تا کہ داخل ہونے والی اکبری فوج کو روکا جا سکے۔

لیکن یہ احمد نگر والوں کی خوش قسمتی تھی۔ اکبری فوج نے پانچ سرنگیں بنائیں تھیں جن میں سے دو تو ہم نے بیکار کر دی تھیں لیکن اس بات کا انھیں علم نہیں ہو سکا تھا۔

وہ دوسری دو سرنگوں کے پھٹنے کا انتظار کرتے رہے اور ایسے میں رات ہو گئی اور حملہ دوسرے دن پر ٹل گیا۔

دیوار کے ٹوٹتے ہی میں نے اس شگاف کو بھرنے کا انتظام کر لیا اور جنگی پیمانے پر دیوار کی مرمت کی جانے لگی۔ احمد نگر کی ساری فوج اور ساری عوام رات بھر شگاف بند کرنے کے کام میں لگی رہی۔ میں خود وہاں گھوڑے پر بیٹھ کر دیوار کا شگاف بند کرنے کے کام کا رات بھر جائزہ لیتی رہی۔ صبح ہونے تک ٹوٹی ہوئی دیوار کا شگاف دوبارہ پوری مضبوطی کے ساتھ بند کر دیا گیا تھا۔

شہزادہ مراد اپنی فوجوں کے ساتھ جب قلعہ پر حملہ کرنے کے لیے آیا تو قلعہ کی دیوار میں شگاف نہ پا کر حیران رہ گیا۔ شگاف تو بند کر دیا گیا تھا۔

اسے سخت نامرادی کا سامنا کرنا پڑا۔

اس شگاف کو بنانے میں ان کی کافی قوت ضائع ہو چکی تھی اور مہینوں گئے تھے۔ لیکن احمد نگر والوں نے ایک رات میں اس شگاف کو بند کر کے اکبری فوج کے منصوبہ پر پانی پھیر دیا تھا۔

بارش شروع ہو گئی تھی اس وجہ سے مراد کی فوج کو رسد ملنی بند ہو گئی تھی اور فوج بھکمری کا شکار ہو رہی تھی۔ اس لیے شہزادہ مراد احمد نگر کے قلعہ کا محاصرہ اٹھا کر برہانپور کی طرف چلا گیا۔

اکبری فوج کا خطرہ ٹل گیا تھا۔ اس خطرے میں نہ صرف سارے

امراء بلکہ سارا احمد نگر متحد ہوگیا تھا اور اس نے متحد ہوکر اکبری فوج کے خطرے کا نہ صرف مقابلہ کیا تھا بلکہ اسے واپس جانے پر مجبور بھی کر دیا تھا۔

لیکن شہزادہ مراد اور اکبری فوج کے جاتے ہی احمد نگر کے امراء اور وراثت کے جھگڑے پھر شروع ہوگئے بلکہ یہ جھگڑے عروج پر پہنچ گئے۔

کبھی ابراہیم شاہ کو بادشاہ بنایا گیا تو کبھی بہادر شاہ تخت پر بیٹھا۔ اس زمانہ میں محمد خان نامی ایک امیر کی طاقت بہت بڑھ گئی۔ اس نے دربار کے اہم عہدوں پر اپنے خاندان والوں کو مقرر کرنا شروع کر دیا اور اس طرح سارے دربار میں ایک طرح سے قبضہ کرلیا۔

دو اور امراء بھی تھے آہنگ خان اور شمشیر خان۔ ان کو بھی نظر انداز کیا گیا ان لوگوں کو میں نے بھی نظر انداز کیا۔ اس وجہ سے میرے اور ان کے درمیان اختلافات بڑھ گئے ہر کوئی حکمران کو اپنے قبضے میں کر کے خود حکومت چلانا چاہتا تھا۔

وارثوں کے لیے بھی اصل نظام شاہی خاندان کا وارث ہو اس کے لیے دور دور سے نظام شاہی خاندان کے افراد کو ڈھونڈھ کر احمد نگر لایا جاتا اور انھیں حکومت کا اصلی وارث قرار دیا جاتا۔

منجوں خان اتنے دنوں تک جس شخص کو وارث بتا کر حکمران بنانے پر تلا ہوا تھا بعد میں پتہ چلا کہ اس شخص کا نظام شاہی خاندان سے کوئی تعلق بھی نہیں تھا۔

ایک بار پھر نظام شاہی کے جھگڑے اکبر کے دربار تک پہنچے اور شہنشاہ اکبر کو اپنا دیرینہ خواب احمد نگر کو اپنی حکومت میں شامل کرنا پورا ہوتا نظر آیا۔

اس نے شہزادے دانیال کو حکم دیا کہ وہ جا کر احمد نگر پر حملہ کر دے۔

شہزادہ دانیال اسی حکم کا منتظر تھا وہ اپنے کثیر لشکر کے ساتھ احمد نگر کی طرف چل دیا۔

دانیال کے لشکر کی احمد نگر آمد کی خبر نے مجھے بے چین کر دیا۔ اور میں آنے والے خطرے کے بارے میں سوچ کر ہی کانپ اٹھی مجھے احمد نگر کی تباہی سامنے دکھائی دے رہی تھی۔

احمد نگر کی فوج میں اتنی طاقت نہیں تھی کہ وہ اکبری فوج کا مقابلہ کر سکے۔ اکبری فوج کے ہاتھوں احمد نگر کی فوج کی شکست لازمی تھی۔

اور شکست کا مطلب تھا سارے احمد نگر کی تباہی۔ ایک فاتح ہر مفتوح کے ساتھ مفتوح کا سا سلوک کرتا ہے۔ لوٹ مار، قتل غارت گری، تباہی و بربادی۔

اکبری فوج فتح حاصل کرنے کے بعد احمد نگر کو تاراج کر دے گی۔ ہزاروں لاکھوں معصوم بے گناہ لوگ مارے جائیں گے۔

اس لیے بہتری اسی میں ہے کہ اس معاملے میں دانیال سے صلح کر لی جائے جنگ شروع ہونے سے پہلے صلح کا پیغام لے کر مذاکرات کر لیے جاتے اور جنگ اور اس لیے ہونے والی ہولناک تباہی کو ٹال دیا جائے۔

یہ میرا خیال تھا۔ لیکن احمد نگر کے دیگر امراء کو اپنا ہم خیال بنانا میرے لیے بے حد ضروری تھا۔

اس وقت امراء میں سب سے زیادہ طاقتور حمید خان نام کا ایک امیر تھا۔ اسے لوگ چیتا خان کے نام سے جانتے تھے وہ حبشی تھا۔ اس لیے حبشیوں کا سارا گروہ اس کے ساتھ تھا۔ میں نے اس سلسلے میں سب سے پہلے اسی سے مشورہ کر کے اس کو ہم خیال بنانا مناسب سمجھا۔

میں نے چیتا خان کو اپنے محل میں بلایا اور اس سے اکبری فوج کی آمد، اور جنگ کے بھیانک نتائج کے بارے میں تبادلہ خیال کرتے ہوئے اس کے سامنے اپنی رائے رکھ دی۔ ایسی حالت میں میرا خیال ہے کہ دانیال کے ساتھ جنگ کرنے کے بجائے صلح کر لی جائے اور اس کی شرطوں کو مان کر اسے احمد نگر سے واپس بھیج کر احمد نگر کو خوفناک تباہی سے بچا لیا جائے۔

لیکن مجھے اس بات کا بالکل علم نہیں تھا کہ میری اس بات کو وہ لوگوں کے سامنے غلط ڈھنگ سے پیش کرے گا اور لوگوں کو میرے خلاف بھڑکائے گا۔

وہ فوراً باہر گیا اور چیخ چیخ کر اس نے احمد نگر کے سارے امیروں اور عوام کو جمع کرلیا اور چیخ چیخ کر ان سے کہنے لگا۔

"چاند بی بی احمد نگر کو اکبر کے ہاتھ دے دینا چاہتی ہے۔ وہ کہہ رہی ہے کہ ہم جنگ نہ کر کے چپ چاپ احمد نگر اور احمد نگر کا قلعہ حکومت اکبر کے حوالے کر دیں۔ وہ اکبر کے ہاتھوں بک گئی ہے۔ وہ غداری کر رہی ہے۔ بتاؤ لوگوں، ملک کے ایسے غداروں کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے۔"

"قتل... قتل..." ایک شور سا اٹھا۔

اور جوش میں بھرے سارے امراء ننگی تلواریں اور ہتھیار لے کر میرے محل میں گھس گئے۔

آواز: اور جوش میں بھرے ان امراء نے بڑی بے دردی سے چاند بی بی کا قتل کر کے ایک دلیر خاتون، دانشمند خاتون، احمد نگر کی سچی ہمدرد جری عورت کا ہمیشہ کے خاتمہ کر دیا۔ ■

M. Mobin
303 Classic Plaza, Teen Batti, Khadak Road,
Bhiwandi 421302 Dist. Thane, Maharashtra
Mob: 9975375256

جاوید شاہ آبادی

حیدرآباد کی چند اہم خواتین ناول نگار

شہر حیدرآباد اپنی بیش بہا خصوصیات کی بنا پر اپنی ایک منفرد پہچان رکھتا ہے۔ ابتدا ہی سے یہ شہر اپنی منفرد زبان، تہذیب اور ثقافت کا مرکز رہا ہے۔ بالخصوص اردو زبان و ادب کی اس شہر میں ہمیشہ ہی سرپرستی ہوتی رہی ہے۔ یہاں کی سرزمین اردو ادب کے لیے بہت زرخیز ثابت ہوئی ہے۔ اردو ادب کے پہلے صاحبِ دیوان شاعر سلطان محمد قلی قطب شاہ کا تعلق اسی سرزمین سے ہے۔ حیدرآباد کے حکمرانوں کو اردو ادب سے کافی شغف تھا، وہ خود صاحبِ طرز شاعر و ادیب تھے اور ادیبوں کی سرپرستی ان کا شیوہ تھا۔ یہاں کی خاک سے بے شمار شعرا و ادبا نے جنم لیا، جنہوں نے ہر دور میں ادب کی آبیاری کی اور اپنی علم دوستی اور دانشوارانہ صلاحیتوں کی وجہ سے دنیا میں اپنے وطن کا نام روشن کیا ہے۔ عہد آصفیہ سے قبل ہندوستان کے لوگ قدیم روایات کے پابند تھے۔ خاص کر حیدرآباد کا ماحول عورتوں کے لیے سخت گیر تھا۔ اکثر گھرانوں کی خواتین گھر کی چہار دیواری سے باہر نہیں نکل سکتی تھیں۔ لیکن وقت کے ساتھ زمانہ بدلنے لگا اور قدامت پسند ماحول میں تبدیلی آنے لگی۔ انیسویں صدی میں حیدرآباد میں تحریک نسواں کا آغاز ہوا، جس کا اثر معاشرتی اور تمدنی زندگی سے راست یا بلا واسطہ طور پر ضرور پڑا۔ اس تحریک کی وجہ سے خواتین کو ایک حوصلہ اور ہمت ملی، جس کی بدولت انھوں نے نہ صرف خود تعلیم حاصل کی بلکہ سماج میں روشن خیالی اور حصول علم کے رجحان کی تربیت کی۔ تحریک نسواں نے بہت سی خواتین نثر نگاروں کو پیدا کیا، جن میں جیلانی بانو، عفت موہانی، آمنہ ابوالحسن، رفیعہ منظورالامین، قمر جمالی وغیرہ نے اپنی کاوشوں سے اردو نثر کو بہت آگے لے جانے میں کوئی کسر باقی نہیں چھوڑی۔ ان نثر نگار خواتین نے اپنے فن پاروں کو کسی مخصوص موضوع تک محدود نہیں رکھا بلکہ تقریباً تمام موضوعات پر قلم اٹھایا۔ انھوں نے اپنی تخلیقات کے ذریعے اردو ادب میں اپنی شناخت برقرار رکھی ہے۔ شاعری، افسانہ نگاری، تنقید، تدریس، ہر میدان میں خواتین دکن کی صلاحیتوں کے نقوش نمایاں طور پر نظر آتے ہیں۔ حیدرآباد کی خواتین ناول نگاروں نے بیسویں صدی کے نصف آخر میں ناول لکھنے شروع کیے اور تب سے آج تک یہ عمل مسلسل جاری ہے۔ کئی خاتون ناول نگار آج بین الاقوامی شہرت کی مالک ہیں۔ انہوں نے فن اور موضوع دونوں اعتبار سے اسے وسعت بخشی ہیں۔ ان ناول نگار خواتین نے اپنے ناولوں میں عورتوں کے بنیادی مسائل کو جگہ دی ہے اور ناول کے ذریعہ عورتوں کی تعلیم و تربیت، سماجی و اخلاقی اور معاشرتی خامیوں کو دور کرنے کی بھی سعی کی ہے۔ ان کے نزدیک عورتوں کا ناخواندہ ہونا ہی تمام خامیوں اور برائیوں کی جڑ ہے۔ عورت اگر تعلیم یافتہ ہوگی تو کامیاب زندگی گزار سکے گی۔ اس کے علاوہ انھوں نے سماج کے فرسودہ رسم و رواج کی طرف بھی لوگوں کی توجہ مبذول کرنے کی کوشش کی ہے۔

جیلانی بانو

جیلانی بانو اردو کی مشہور و معروف فکشن نگار ہیں، انھوں نے اپنی تخلیقات کے ذریعے سماج کے مختلف مسائل خصوصاً سرزمین حیدرآباد کی معاشرتی و سیاسی فضا، تہذیبی و ثقافتی زندگی کے مختلف پہلوؤں کو اجاگر کرنے کی کوشش کی ہے۔ جیلانی بانو کی ولادت اتر پردیش کے شہر مردم خیز ضلع بدایوں میں 14/ جولائی 1936 کو ہوئی۔ جیلانی بانو نے جس عہد میں

ہوش سنبھالا وہ جاگیردارانہ ماحول ومعاشرے کی ٹوٹتی بکھرتی روایتوں اور قدروں ،سیاسی وسماجی تغیرات اور تحریک آزادی کا دور تھا۔اس دور کے حالات ومسائل نے ان کے حساس ذہن کو متاثر کیا۔اور جب انھوں نے قلم اٹھایا تو اپنی تمام فن کارانہ صلاحیتوں کو بروئے کار لانے کی کوشش کی۔انسانی زندگی کے نشیب وفراز اور دیگر سیاسی ،سماجی مسائل کو کہانیوں کے پیرائے میں ڈھال دیا۔ان کی تخلیقات میں حقیقت پسندی اور سیاسی وسماجی شعور کی پختگی کا بھر پور اظہار ملتا ہے۔جیلانی بانو نے نثر کی تمام اصناف پر طبع آزمائی کی ہے۔انھوں نے اپنا تخلیقی سفر ملک کی آزادی کے بعد شروع کیا۔ان کی پہلی کہانی کا نام ''موم کی مریم'' ہے جو کہ ادب لطیف لاہور کے سالنامے میں شائع ہوئی تھی۔اس کے بعد ان کا قلم بلا کسی جھجک کے چل پڑا۔انھوں نے افسانہ وناول نگاری کے ساتھ ساتھ کتابوں پر تبصرے بھی کیے ہیں ۔روزنامہ سیاست میں کالم ''شیشہ وتیشہ'' بھی لکھا ہے۔مختلف اخبارات ورسائل میں ان کی تخلیقات شائع ہوتی رہی ہیں۔

جیلانی بانو کے دو مشہور ناول ''ایوان غزل'' اور ''بارش سنگ'' ہیں۔ان کا پہلا ناول ''ایوان غزل'' ہے، جو 1976ء میں شائع ہوا۔اس ناول کا نام پہلے ''عہد ستم'' تھا لیکن اس وقت ایمرجنسی کی وجہ سے کتابوں پر سنسرشپ عائد تھی اور یہ نام چونکہ قابل اعتراض تھا لہٰذا اس کا نام بدلنا پڑا۔یہ ناول آزادی سے قبل اور آزادی کے بعد تک کے چند برسوں کی حیدرآبادی ثقافت وتہذیب کی حقیقی عکاسی کرتا ہے۔اس ناول میں ریاست حیدرآباد کے زوال پزیر جاگیردارانہ معاشرے میں پیدا شدہ حالات ومسائل کو موضوع بنایا گیا ہے۔''ایوان غزل'' دراصل ایک تہذیبی اور سماجی ناول ہے، جس میں ریاست حیدرآباد کے زوال کی داستان پیش کی گئی ہے۔جیلانی بانو نے ''ایوان غزل'' لکھ کر اردو ناولوں کی فہرست میں ایک اچھے ناول کا اضافہ کیا۔آج اس ناول کا شمار اردو کے پسندیدہ ناولوں میں کیا جاتا ہے۔

جیلانی بانو کا دوسرا ناول ''بارش سنگ'' 1984 کراچی پاکستان سے اور 1985 میں حیدرآباد دکن سے شائع ہوا۔بارش سنگ کا سب سے پہلے مراٹھی زبان میں ترجمہ کیا گیا اور حیدرآباد سے شائع ہونے والے رسالے ''پنج دھارا'' میں اسے قسط وار شائع کیا گیا ۔بارش سنگ کا انگریزی میں بھی ترجمہ کیا گیا اور hail of sterness کے نام سے دہلی سے شائع کیا گیا ہے۔''پتھروں کی بارش'' کے نام سے اس کا ترجمہ ہندی میں 1987 میں دہلی سے شائع کیا گیا۔''بارش سنگ'' تلنگانہ کے کسان تحریک کے پس منظر میں تصنیف کیا گیا ہے،جس میں آزادی سے قبل اور آزادی کے چند برسوں بعد تک حیدرآباد کے رہنے والے دیہی علاقوں کے غریب کسانوں ،مزدوروں اور عورتوں کے حالات ومسائل کی حقیقی عکاسی کی گئی ہے۔جاگیردارانہ نظام کا ظلم وستم ،معاشی استحصال ،سماجی غیر برابری اور طبقاتی کشمکش اس ناول میں پوری شدت کے ساتھ موجود ہے۔

رفیعہ منظورالامین

رفیعہ منظورالامین حیدرآباد کی ایک مشہور ومعروف فکشن رائٹر ہیں۔ان کی ولادت حیدرآباد کے ایک تعلیم یافتہ گھرانے میں ہوئی۔ابتدا میں ان کی تعلیم کاچی گوڑہ، حیدرآباد کے ایک اسکول میں ہوئی۔ابتدائی تعلیم حاصل کرنے کے بعد انھوں نے کاچی گوڑہ سے ہی میٹرک کا امتحان پاس کیا۔اپنا تعلیمی سفر جاری رکھتے ہوئے انھوں نے B.Sc ویمنز کالج، کوٹی، حیدرآباد سے کیا۔رفیعہ منظورالامین کو بچپن ہی سے کہانیاں لکھنے کا شوق تھا۔انھوں نے پہلی کہانی آٹھ سال کی عمر میں لکھی تھی جو دہلی سے شائع ہونے والے رسالے ''پیام تعلیم'' میں شائع ہوئی تھی۔کالج میں بھی وہ ادبی سرگرمیوں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتی تھیں۔کالج میگزین ''کاسماس'' کی ادارت کے فرائض بھی انھوں نے انجام دیے۔ان کا پہلا ناول ''سارے جہاں کا درد'' پہلی بار 1974 میں اور اسکے دس سال بعد دوبارہ 1984 میں نظامی پریس لکھنؤ سے شائع ہوا۔یہ ناول ۳۴۳ صفحات پر مشتمل ہے۔''عالم پناہ'' مصنفہ کا دوسرا ناول ہے۔اس ناول کے تین اڈیشن شائع ہوئے ہیں ۔ناول کو ہندوستان گیر شہرت حاصل ہوئی ہے۔''عالم پناہ'' کا ہندی زبان کے علاوہ کنڑ میں بھی ترجمہ ہوا ہے۔ہندی میں ناول کا ترجمہ منظورالامین نے کیا ہے ۔موصوفہ کا تیسرا ناول ''یہ راستے'' 1995 میں انجمن ترقی اردو ،آندھرا پردیش، اردو حال ، حمایت نگر، حیدرآباد سے چھپ کر منظر عام پر آیا ہے۔

واجدہ تبسم

واجدہ تبسم اردو فکشن کا ایک اہم نام ہے۔برصغیر کی یہ نامور شخصیت امراوتی میں 16 / مارچ 1935 کو پیدا ہوئی۔ادبیات اردو میں جامعہ عثمانیہ سے ماسٹرز ڈگری حاصل کی ۔بعد میں کچھ ایسے حالات بنے کہ انھیں اپنے اہل خانہ کے

ساتھ 1947 میں حیدرآباد دکن میں مستقل قیام کرنا پڑا۔ حیدرآباد کا دکنی لہجہ جو کہ دیگر صوبوں کی اردو سے قدر مختلف ہے، ان کی کہانیوں اور افسانوں میں دیکھنے کو ملتا ہے۔ دکنی زبان کے محاورے، ضرب الامثال کو انہوں نے بڑی چابک دستی سے استعمال کیا ہے۔ سرزمین دکن کی قدیم داستانوں، بودوباش اور رسوم کو انھوں نے اپنی تخلیقات میں بڑی خوبصورتی سے پیش کیا ہے۔ ''کیسے کاٹوں رین اندھیری'' اور ''نتھ کی عزت'' ان کے دو مشہور ناول ہیں، جن میں موصوفہ نے حیدرآباد دکن کی خاص مسلم تہذیب کو اجاگر کرنے کی سعی کی ہے۔ واجدہ تبسم کے ناولوں کا ایک مرکزی موضوع طوائف رہا ہے۔ حیدرآبادی معاشرت میں طوائف کا کردار اس کی زندگی کے نشیب و فراز، اس کی خوشیاں، اس کے غم، اس کی خواہشیں اور گھریلو زندگی پر اس کے اثرات کا تجزیہ بڑی خوبی کے ساتھ واجدہ تبسم نے اپنے ناولوں میں پیش کیا ہے۔ ''نتھ کی عزت'' اگرچہ ایک مختصر ناول ہے لیکن اس میں ''حیا'' نامی طوائف کے جذبات واحساسات کا ایک سمندر ٹھاٹھیں مارتا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ واجدہ تبسم نے انتہائی مہارت اور چابک دستی سے اس کا کردار تشکیل کیا ہے۔ ''کیسے کاٹوں رین اندھیری'' بھی حیدرآبادی ماحول پر لکھا گیا ایک دلچسپ اور عبرت آموز المیہ ناول ہے۔ اس ناول میں مصنفہ نے اس حقیقت سے پردہ اٹھایا ہے کہ کس طرح طوائفوں کے پیچھے ہنستے بستے گھر برباد ہوجاتے ہیں۔ حیدرآباد کی سماجی زندگی میں طوائف کے ناسور نے جو تباہیاں مچا رکھی تھیں، ان کا بیان ہی دراصل ''کیسے کاٹوں رین اندھیری'' کا موضوع ہے۔ اس وجہ سے یہ ناول ایک اصلاحی کتاب ہے، جسے ناول کے پیرائے میں لکھ کر مصنفہ نے ایک قابل قدر خدمت سرانجام دی ہے

صغرا ہمایوں مرزا

اردو دنیا میں صغرا ہمایوں مرزا ایک ادیبہ، شاعرہ، مدیرہ اور سماجی خدمت گزار کی حیثیت سے جانی اور پہچانی جاتی ہیں۔ بیگم صغرا ہمایوں کی ولادت 1884 میں حیدرآباد میں ہوئی اور 1959 میں حیدرآباد ہی میں انتقال ہوا۔ ان کی شادی 1901 میں ہمایوں مرزا صاحب سے ہوئی۔ شادی کے بعد دونوں نے حیدرآباد ہی میں مستقل سکونت اختیار کرلی۔ حیدرآباد میں رہ کر انہوں نے بہت سے فلاحی کام انجام دیے۔ لڑکیوں کی فلاح وبہبود کے خیال سے انہوں نے ایک مدرسہ صفدریہ قائم کیا، جس کے لیے موصوفہ نے اپنی جائداد کا ایک حصہ وقف کردیا۔ اس مدرسے میں آج بھی تعلیم کے ساتھ ساتھ مختلف پیشہ ورانہ کورسز سکھائے جاتے ہیں۔ صغرا ہمایوں مرزا نے نہ صرف فلاحی کام انجام دیے بلکہ اپنے قلم کے ذریعے سماج کی اصلاح کرنے کی کوشش بھی کی ہے۔ مصنفہ کا شمار اردو کی اولین خواتین ناول نگاروں میں ہوتا ہے۔ انہوں نے تقریباً چودہ ناول لکھے ہیں، جن میں ''تحریر النساء''، ''موہنی''، ''مشیر نسواں''، ''زہرہ'' اور ''سرگزشت ہاجرہ'' بہت مقبول ہوئے۔ بیگم صغرا ہمایوں مرزا کی تحریروں میں عموماً بیانیہ تکنیک کا استعمال کیا گیا ہے۔ اپنے عہد میں ان کی تخلیقات کافی مقبول ہوئیں۔ عوام اور خواص دونوں طبقوں میں مصنفہ کی تخلیقات بڑے شوق اور دلچسپی کے ساتھ پڑھی جاتی تھیں۔ ان کے فن پاروں میں اس عہد کے گہرے نقوش نظر آتے ہیں، جس کی بدولت اس عہد کی روایات کو سمجھنے میں آسانی ہوتی ہے۔

فاطمہ تاج

فاطمہ تاج حیدرآباد دکن کی ادب خیز سرزمین سے تعلق رکھتی ہیں۔ حیدرآباد کی ان باشعور خواتین میں سے ایک ہیں، جنھوں نے ہر صنف پر طبع آزمائی کی ہے۔ جیسے غزل، نظم، افسانہ، ناول، انشائیہ، خاکہ وغیرہ۔ فاطمہ تاج کی ولادت حیدرآباد میں ۲۵/اکتوبر ۱۹۴۸ء کو ہوئی۔ ان کے آباواجداد مدینہ منورہ سے ہندوستان آکر آباد ہوئے۔ فاطمہ تاج کے دو ناول ''جب شام ہوگئی'' اور ''نقش آب'' اور ایک ناولٹ ''وہ'' منظر عام پر آچکے ہیں۔ فاطمہ تاج اپنی پرکشش تحریر سے اپنے احساسات، جذبات، تجربات ومشاہدات سب کچھ صفحہ قرطاس پر بکھیر دیتی ہیں۔ فنی نقطہ نظر سے اگر دیکھا جائے تو انہوں نے اپنی تمام صلاحیتوں کو بروئے کار لانے کی کوشش کی ہے۔ فاطمہ تاج اچھی ناول نگار ہیں۔ ان میں بات کہنے کا سلیقہ موجود ہے۔ انہوں نے تقریباً تمام موضوعات پر اظہار خیال کیا ہے۔ ان کا یہ وصف ان کے شعور اور فن کا آئینہ دار ہے۔ فاطمہ تاج ہر لحاظ سے قابل قدر اور لائق ستائش ہیں۔

آمنہ ابوالحسن

حیدرآباد کی فکشن نگار خواتین میں آمنہ ابوالحسن کا نام کسی تعارف کا محتاج نہیں۔ سید آمنہ ابوالحسن جو آمنہ ابوالحسن کے نام سے ادبی دنیا میں جانی جاتی ہیں، حیدرآباد کے ایک تعلیم یافتہ گھرانے میں ۱۰/مئی ۱۹۴۱ء کو پیدا ہوئیں۔ آپ کے نانا اپنے وقت کے جید عالم تصور کیے جاتے تھے۔ آمنہ ابوالحسن کے والد کا نام ابوالحسن سید علی تھا۔ آمنہ ابوالحسن کی والدہ

کا انتقال ان کے بچپن ہی میں ہوگیا تھا۔ اپنے والد کے زیر سایہ انہوں نے تعلیم و تربیت حاصل کی۔ان کے والد ابوالحسن سید علی مرحوم نامور قانون داں اور سیاست داں ہونے کے ساتھ ساتھ سیاسی رہنما بھی تھے۔مصنفہ کی شادی دوران تعلیم ہی جناب مصطفیٰ علی اکبر صاحب سے ہوئی جو آل انڈیا ریڈیو میں نیوز ریڈر کی حیثیت سے کام کر رہے تھے۔آمنہ ابوالحسن 9/اپریل 2005 کو سرائے فانی سے عالم لا فانی کو منتقل ہو گئیں۔آمنہ ابوالحسن کو بچپن ہی سے کہانی لکھنے کا شوق تھا۔ان کی پہلی کہانی "ننھی کلی" کے عنوان سے بچوں کے لیے شائع ہونے والے رسالے میں چھپی تھی، اس وقت موصوفہ آٹھویں جماعت کی طالبہ تھیں۔کہانی شائع ہونے کے بعد ان کے قلم میں خود اعتمادی آگئی اور دیکھتے ہی دیکھتے ان کی تخلیقات یکے بعد دیگرے منظر عام پر آگئیں۔انہوں نے متعدد ناول لکھے ہیں جنھیں اردو ادب میں بہترین ناول تسلیم کیا جاتا ہے۔مثال کے طور پر "سیاہ سرخ سفید"،"تم کون ہو"،"واپسی"،"مہک"،"یادش بخیر" وغیرہ۔

آمنہ ابوالحسن کا سب سے پہلا ناول "سیاہ سرخ سفید" 1968 میں نیشنل بک ڈپو، مچھلی کمان حیدر آباد سے شائع ہو کر منظر عام پر آیا۔یہ ناول 224 صفحات پر مشتمل ایک رومانی ناول ہے۔ان کا دوسرا ناول "تم کون ہو" 1974 میں نیشنل پرنٹنگ پریس، چار کمان، حیدر آباد سے شائع ہوا یہ ناول 164 صفحات پر مشتمل ایک معاشرتی ناول ہے۔ان کا ایک اور ناول "واپسی" 1981 میں موڈرن پبلشنگ ہاوس، گول مارکٹ سے شائع ہوا۔"یادش بخیر" 1994 میں موڈرن پبلشنگ ہاوس، دریا گنج نئی دہلی سے شائع ہوا۔ ناول "یادش بخیر" میں قدیم تہذیب اور جدید دونوں رجحانات پائے جاتے ہیں۔مصنفہ نے ناول میں کہیں کہیں خود کلامی سے کام لیا ہے اور اس کے وسیلے سے کرداروں کے افکار و تصورات کی ترجمانی کی ہے۔

قمر جمالی

قمر جمالی کا اصلی نام قمر سلطانہ اور قلمی نام قمر جمالی ہے۔موصوفہ کی پیدائش ڈسٹرکٹ نلگنڈہ کے ایک گاؤں ایٹور میں 1950 کو ہوئی۔وہ دکن کی ایک مقبول و معروف فکشن نگار تصور کی جاتی ہے۔قمر جمالی کے ادبی سفر کا باقاعدہ آغاز "اے چاند چھپ نہ جانا" سے ہوا جو ایک عشقیہ موضوع پر مبنی کہانی ہے جو ایک ہفتہ وار اخبار "رسالہ روداد حیات" دہلی میں 1966 میں چھپا تھا۔قمر جمالی بنیادی طور پر افسانہ نگار ہیں۔لیکن قمر جمالی ان تخلیق کاروں میں گردانی جا سکتی ہیں جنہوں نے ناول اور افسانہ دونوں کے تئیں حق ادا کیا ہے۔قمر جمالی نے "آتش دان" لکھ کر اپنی تخلیقیت اور فنی بصیرت کا مسلّم ثبوت ادبی دنیا کو فراہم کیا ہے۔"آتش دان" نہایت ہی سہل اور آسان زبان میں لکھا گیا ہے جس میں وقت کے فلسفے کو ایک لطیف انداز میں پیش کیا گیا ہے اور اشاروں کنایوں میں زندگی کے فلسفے کو سمجھایا گیا ہے۔موصوفہ کا یہ پہلا ناول ہے۔اب تک انہوں نے صرف افسانوی ادب تخلیق کیا ہے۔اصولی طور پر اس ناول میں افسانوی رنگ زیادہ ہونا چاہئے تھا لیکن ایسا نہیں ہے۔انہوں نے اس میں ایک نئے موضوع کو جگہ دی ہے۔گاؤں کے کسانوں کی مظلومیت، انانیت اور سیاست کی غنڈہ گردی، دولت اور قبیلے کے بل بوتے پر ڈکٹیٹر شپ کی چکی میں پسے ہوئے عام انسان کو موضوع بنایا گیا ہے۔ناول نگار نے ایک چھوٹے سے دیہات کے ذریعہ ہندوستان کی سماجی، سیاسی اور معاشی زندگی کو پیش کیا ہے۔اس ناول میں جہاں ایک طرف سیاسی لیڈر کی انا پرستی اور ظلم کو واضح کیا گیا ہے وہیں انسان کی دم توڑتی قدیم سماجی زندگی کو بھی پیش کیا گیا ہے۔قمر جمالی کا ناول "آتش دان" فنی نقطہ نظر سے کامیاب ناول ہے۔قمر جمالی نے اس وقت مارکسی نظریہ کو احیائے نو بخشا جب ہمارا اردو ادب نئے نظریات کے دھندلکوں میں کہیں گم ہو گیا تھا اور حقیقت نگاری کے بجائے غیر منکشف چیزوں پر زور دیا جاتا تھا۔مجموعی طور پر قمر جمالی ایک ایسی نسائی آواز ہے جو اپنی تحریروں کی وساطت سے اردو دنیا میں اپنی پہچان بنانے میں کامیاب نظر آتی ہیں۔ان کا ذوق جمال ان کے ناول "آتش دان" میں نکھر کر سامنے آیا ہے۔"آتش دان" میں سلگتی جلتی بے چین و بے قرار دیہاتی زندگی کو پیش کیا گیا ہے۔

* **Javaid Shahabadi**
Research Scholar
Department of Urdu
University of Hyderabad

فرہنگِ آصفیہ

ابوتُراب۔ ع۔ اِسم۔ مذکّر۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی کُنیت جس کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ ایک روز آپ حالتِ غم وغصہ میں مسجد کی زمین میں پڑے ہوئے سوتے تھے۔ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے جب دیکھا کہ آپ کے رخسار اور جسمِ مطہر خاک آلودہ ہے تو از راہِ شفقت فرمایا، ابا تراب یعنے اے زمین پر سونے والے اور غُبار آلود اُٹھو۔ پس اس روز سے آپ کی یہ کنیت ہو گئی اور آپ اِس پر فخر کرتے رہے۔

عالیہ نوشین شبیر احمد

ماں کا نعم البدل نہیں کوئی

ماں سے پوچھا گیا ''اگر تمہارے قدموں کے نیچے سے جنت ہٹالی جائے تو اس کے بدلے تم اللہ سے کیا مانگو گی؟''

ماں نے کہا 'تو پھر میں اللہ سے اپنے بچوں کا نصیب لکھنے کا اختیار مانگوں گی۔'' ماں ایسی ہی ہوتی ہے اپنے حالات کے سیاق وسباق میں بچوں کے تئیں ماؤں کے ایثار وقربانی اور بلیدان میں امتیاز ہو سکتا ہے لیکن ممتا میں تمام مائیں ایک جیسی ہوتی ہیں۔ پروین شاکر نے اپنے بیٹے کے لیے ایک نظم میں کہا ہے۔

ماں اگر مایوس ہو جائے　　　تو دنیا ختم ہو جائے

واقعی ماں کے دم قدم سے دنیا آباد ہے۔ ماں کے بغیر دنیا کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ ہر مذہب میں ماں کی قدر وقیمت اور اس کی خدمت کی تلقین کی گئی ہے۔

قرآن کریم میں جہاں توحید کا ذکر آیا ہے اسی کے ساتھ ماں باپ کی خدمت کا بیان ہے۔ نبی کریمؐ کے والد محترم ولادت مبارکہ سے پہلے اللہ کو پیارے ہو گئے تھے اور جب آپؐ کی عمر مبارک سات برس کی تھی تب والدہ محترمہ بھی انتقال کر گئی تھیں۔ اس طرح آپؐ بچپن ہی میں یتیم ویسیر ہو گئے تھے۔ لیکن احادیث اور سیرت طیبہ کا مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ اللہ کے رسولؐ نے ماں باپ کی خدمت ومحبت اور عزت واحترام پر کتنا زور دیا ہے۔ ایک حدیث پاک میں ہے کہ ''لعنت ہے اس شخص پر جس نے اپنے بوڑھے ماں باپ کو پایا اور ان کی خدمت کر کے جنت نہیں کمایا''۔ اللہ کے رسولؐ اکثر تلقین فرماتے تھے کہ ماں کی خدمت اور فرماں برداری کی جائے اور ایسا کوئی کام نہ کیا جائے جس سے ماں کا دل دکھے۔

ہم ماں کی کتنی ہی خدمت کریں، ماں سے کتنی ہی محبت کریں، لیکن ہم ماں کا حق ادا نہیں کر سکتے۔

'ماں' یہ لفظ جب کانوں میں پڑتا ہے، تو اس کی مٹھاس سے ایسا لگتا ہے۔ جیسے روح کو تازگی مل گئی۔ جیسے ویرانے میں بہار آگئی۔ صحرا میں پانی کی پھوار پڑنے لگی ہو۔ اندھیرے سے روشنی کی کرن نمودار ہو گئی ہو۔ ایسے جیسے بھٹکے ہوئے کو اچانک منزل مل جائے مایوس چہروں پر مسکان آجائے۔ جیسے بے چین دل کو قرار آجائے۔ جیسے سب سوالوں کے جواب ایک ساتھ مل جائیں۔ جیسے ساری فکروں سے نجات مل جائے سارے دکھوں اور تکلیفوں کا انت ہو جائے۔ ایسے جیسے طوفان تھم جائے، ماں کے ایک لفظ میں تمام کائنات سما جاتی ہے۔ اللہ ماں کے دل میں اتنی ممتا بھر دیتا ہے کہ وہ کبھی کم نہیں ہوتی۔ اس کے پیار کی کوئی انتہا نہیں ہوتی۔ بچے چاہے جتنے بڑے ہو جائیں ماں کی محبت کم نہیں ہوتی، ماں دنیا کی سب مصیبتیں اپنے آنچل میں سمٹ لیتی ہے اور اپنے بچے پر کوئی آنچ نہیں آنے دیتی ہر آزمائش میں، ہر امتحان میں اور ہر آفت میں ماں بچے کی ڈھال بن جاتی ہے۔ ماں کی زندگی کا اول وآخر مقصد صرف یہی ہوتا ہے کہ اس کی اولاد سدا خوش وخرم اور کامیاب وکامران رہے۔ ماں ہوتی ہی ایسی ہے۔

ہم سوچتے ہیں کہ ماں اتنا پیار کیوں کرتی ہے۔ اتنا پیار اللہ اس کے دل میں کیسے بھر دیتا ہے۔ کیوں اسے ہر وقت اپنی اولاد کی پڑی رہتی ہے کیوں اسے اپنی اولاد کی چھوٹی سے چھوٹی خوشی کا خیال رہتا ہے۔ تو ہمارا دل جواب دیتا ہے شاید اس لیے اگر خدا ماں کو نہیں بناتا تو

ہمیں کیسے پتہ چلتا کہ خدا اپنے بندوں سے کتنا پیار کرتا ہے۔خدا اپنا پیار ماں کے ذریعہ ظاہر کرتا ہے۔خدا اپنے بندوں کے پاس رہتا ہے لیکن نظر نہیں آتا اس لئے اس نے ماں کو بنایا کہ وہ اپنے بچوں کے پاس رہئے۔

ماں بہت ہمدرد ہوتی ہے۔اس کی گود میں ایسا سکون ملتا ہے۔جیسے ہم بہت دیر سے جلتی دھوپ میں چل رہے تھے اور ہمیں چھاؤں مل گئی جیسے ہم بہت پیاسے تھے اور ہمیں پانی مل گیا۔

لیکن ہم ماں کو اہمیت ،وہ مقام اور وہ محبت کہاں دیتے ہیں جتنا کہ اس کا حق ہے۔یہ سوال ہر فرد اپنے آپ سے کرے کہ وہ اپنی ماں سے اتنا پیار کرتا ہے جتنا کہ اس کی ماں اس سے کرتی ہے۔یقین جانئے کہ کسی کا بھی جواب ہاں میں نہیں آئیگا۔کیوں کہ ہم اپنی ماں کو اتنا پیار نہیں دے سکتے جتنا کہ ہماری ماں ہم سے کرتی ہے۔

کیونکہ آج ہم پر بڑی ذمہ داریاں آگئی ہیں ،ہم بہت مصروف ہو گئے ہیں ہمیں ماں کو وقت دینے کی فرصت نہیں ،ہمیں ماں کے دکھ درد میں شریک ہونے کا وقت نہیں ہے۔یہ سب کام تو ماں کا تھا۔ماں نے تو یہ سب کیا اب ہمیں یہ سب کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ میری ان باتوں پر حیران ہونے کی ضرورت نہیں،یہ تو ان لوگوں پر طنز ہے جو سچ مچ اپنی ماں کے ساتھ ایسا سلوک کرتے ہیں اور یہ کوئی فسانہ نہیں آنکھوں دیکھا واقعہ ہے۔

ہوایوں کی میری ماں کا ایکسیڈنٹ ہوا تو اسے فوراً Hospital میں داخل کرنا پڑا۔وہاں بازو کے بیڈ پر ایک ضعیفہ تھی وہ اپنے بچوں کا نام لے لے کر اتنا چلاتی تھی کہ ہمیں گراں گزرتا تھا۔میں نے نرس سے پوچھا کہ اس بوڑھی عورت کا کیا معاملہ ہے۔یہ اتنا کیوں چلاتی ہے؟ نرس کا جواب سُن کر مجھے دکھ بھی ہوا اور تعجب بھی۔نرس نے بتایا کہ اس ضعیفہ کے بچے کاروباری مصروفیت کے سبب ماں سے ملنے نہیں آتے۔لہٰذا ماں کی دیکھ بھال کے لیے انھوں نے ایک خاتون خدمت گار کو رکھ چھوڑا ہے جو رات بھر اس بوڑھی کو چپ کرانے کی ناکام کوشش کرتی رہتی ہے۔میں نے اس بوڑھی اور لاچار ماں کو دیکھا اور سوچا کہ اس کے بچے کتنے بدنصیب ہیں اور وہ ایسا کون سا کاروبار کررہے ہیں کہ ماں سے ملنے سے محروم ہوگئے ہیں۔

آپ نے کبھی میلے کا نام سنا ہوگا۔آج تک ہم سنتے تھے کہ بچوں پر اس میلے میں خاص توجہ رکھیں کیوں کہ کمبھ کے میلے میں بچے کا اگر ہاتھ چھوٹ گیا تو پھر وہ گم ہوجاتا ہے۔لیکن آج بچے ماں باپ کو کمبھ کے میلے میں لے جاتے ہیں اور جان بوجھ کر ان کا ہاتھ چھوڑ کر بھیڑ میں گم ہوجاتے ہیں۔بے چارے ماں باپ!

ممتا بھری نگاہ سے بچوں کا انتظار کرتے ہیں اور سوچتے ہیں کہ کہیں ان کا بچہ تو نہیں گم ہوگیا۔پھر وہ دیوانوں کی طرح اپنے بچے کو ڈھونڈتے ہیں۔بے چارے ماں باپ! میں یہ نہیں کہتی کہ سب بچے ایسا کرتے ہیں لیکن جو بچہ بھی ایسا کرتا ہے وہ اپنے مذہب اور انسانیت اور اخلاقیات کے خلاف کرتا ہے۔اسی لیے مذہب میں ناخلف اولاد کے لیے سخت وعیدیں آئی ہیں۔اور فرماں برداروں کے لیے بشارتیں سنائی گئیں ہیں۔ دنیا میں ''کعبہ'' اور ''ماں'' جنھیں صرف دیکھنے کا ثواب ملتا ہے۔

جب بچہ پریشان نظر آتا ہے تو ماں بھی پریشان ہوجاتی ہے۔ بیقرار ہوجاتی ہے، بچے سے سوال پہ سوال کرتی ہے۔ بچہ بیزاری سے کہتا ہے''ماں تو کیا سمجھے گی میری پریشانی، میرا دکھ؟ جا مجھے پریشان نہ کر''۔بچہ یہ نہیں سوچتا کہ ماں اس کا درد، اس کی بات تو اس وقت بھی سمجھ جاتی تھی۔

جب وہ بول بھی نہیں پاتا تھا۔پھر آج کیا ہوا؟

اسی طرح بچے جب بڑے ہوجاتے ہیں تو ماں باپ کے سوالوں کے جواب دینا، انھیں یہ فضول کام لگتا ہے۔وقت ضائع کرنا لگتا ہے۔جن ماں کوئی سوال کرے بچہ ایک بار بولے گا اور دوسری بار چڑ کر بولے گا۔ ماں تجھ کو کیا سمجھنا ہے، جا میرا دماغ خراب نہ کر، وہ یہ نہیں سوچتا کہ جب وہ چھوٹا تھا تو ماں سے سیکڑوں سوال کرتا تھا اور ماں ہر سوال کا جواب خنداں پیشانی سے دیتی تھی۔ماں کہتی ہے۔

مجھ کو تھکنے نہیں دیتا یہ ضرورت کا پہاڑ
میرے بچے مجھے بوڑھا نہیں ہونے دیتے

آیئے آج ہم اپنے آپ سے وعدہ کریں کہ ہم تہہ دل سے اپنے والدین کی خدمت کریں گے۔جس طرح انھوں نے ہمیں پال پوس کر بڑا کیا اسی طرح ہم بھی ان کی دیکھ بھال کریں۔ان کا خیال رکھیں ایک وقت ضرور ایسا آئے گا جب ماں باپ کا سایہ ہمارے سروں سے اٹھ جائے گا اس وقت پچھتانے سے کچھ ہاتھ نہ آئے گا ہم یہ بات ہمیشہ یاد رکھیں کہ ماں اگر مایوس ہوجائے تو دنیا ختم ہوجائے۔

زمیں پہ ماں ہے فلک پر خدا کی ہستی ہے
وگرنہ دنیا گھنی ظلمتوں کی بستی ہے

OO

Aaliya Naushin
57 Old Thana Road, Bhiwandi, Disst. Thane (M.S)

اردو شاعری میں خواتین کا حصہ

انصاری آصفہ بدرالزماں

دنیا کے ہر حصے میں اور ہر ملک میں خواتین نے تہذیب وتمدن، معاشرت، علم وفلسفہ، سیاست وحکومت اور زبان وادب غرض کہ ہر میدان میں اپنی صلاحیتوں کے جوہر دکھائے ہیں۔ یورپ ہو یا ایشیا، عرب یا عجم، چین ہو یا جاپان یا پھر برصغیر، لاتعداد خواتین نے اپنی فکر کی روشنی سے آسمان شعر وادب کو منور کیا ہے۔ یوں بھی عورت کے مزاج اور طبیعت کو فطری طور پر شعر جیسے فن لطیف سے ایک مناسبت ہے پھر کوئی وجہ نہیں کہ اردو کا گلشن شعروشاعری ان کے خیالات کی خوشبو سے نہ مہکتا۔

اردو کی پہلی شاعرہ کون تھی اور اس نے پہلا شعر کب اور کہاں کہا یہ کہنا تو قریب قریب ناممکن ہے لیکن اس بات کے کافی شواہد ہیں کہ اردو کی پہلی صاحب دیوان شاعرہ چندا (ساکن حیدرآباد) تھی جس کا نام لقا تھا اور شیر محمد خاں ایمان کی شاگرد تھی۔ اس کا ایک شعر ہے۔

یک لخت پارہ پارہ کر ڈالوں آئینے کو
پر کیا کروں کہ تیرا منہ درمیاں رہے گا

بعض حضرات کی تحقیق کے مطابق اردو کی پہلی شاعرہ بادشاہ جہانگیر کی بیوی نور جہاں بیگم تھی۔ ان کا ایک شعر

ظاہر میں میرے حال کو سرسبز نہ جانو
پوشیدہ جگر رکھتی ہوں مانند حنا کے

پرانی تہذیب میں طوائف خانوں کو رقص ونغمہ کا مرکز تصور کیا جاتا تھا۔ اور بہت سے شرفا بھی اپنے بچوں کو وہاں تہذیب سیکھنے کے لیے بھیجا کرتے تھے۔ اس لیے بہت سی طوائفوں کے اندر شاعری کا ملکہ ہونا بھی فطری تھا۔ چنانچہ بعض شاعرات پیشہ کے اعتبار سے شاعری کو موسیقی کے ساتھ گاتی تھیں۔ ان میں سے بعض باذوق طوائفیں خود اپنا کلام بھی گا کر سناتی تھیں۔ ایسی شاعرات میں کلکتہ کی محمد جان شباب اور ملکہ جان لکھنؤ کی مشتری اور فرح بخش فرح کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ اسی زمانے میں امراؤ جان ادا نامی طوائف کو کچھ تو شاعری اور عقل ودانش کی وجہ سے زیادہ تر مرزا ہادی رسوا کے ناول کی وجہ سے غیر معمولی شہرت حاصل ہوئی۔

اردو شاعری میں خواتین شاعرات کی تخلیقات ہمیں انیسویں صدی کے وسط سے ملتی ہیں۔ ظاہر ہے کہ اٹھارویں اور انیسویں صدی کا زمانہ اردو کی شعری سرگرمیوں کے نقطہ عروج کا زمانہ تھا۔ اس لیے ایسا ممکن نہ تھا کہ حرف شناس خواتین شعری اظہار سے لاتعلق رہتیں۔ مغلوں کے آخری زمانے میں بسم اللہ کے نام سے ایک شاعرہ تھیں جن کا کلام مختصر سہی مگر مل ضرور جاتا ہے۔ بیسویں صدی کے آتے آتے بہت سی اردو شاعرات کا کلام منظر عام پر آنے لگا تھا کیونکہ اب ماحول بدلنے لگا تھا اور سماج میں خواتین کی قدر ومنزلت بھی بڑھنے لگی تھی۔ ان میں سیدہ خیر النساء بہتر رائے بریلوی، امت الفاطمہ مخفی۔ آمنہ خاتون عفت، عصمت آرا بیگم لکھنوی، نور جہاں اور زاہدہ خاتون قابل ذکر ہیں۔ ان کے علاوہ صفیہ شمیم ملیح آبادی، رضیہ انوار امروہوی، تسنیم حفیظ جالندھری، سلمٰی تصدق حسین، زاہدہ شروانی وغیرہ بھی قابل ذکر ہیں۔ انیسویں صدی کے وسط میں اردو شاعرات کی تعداد اتنی زیادہ ہوگئی کہ ان کے ذکر کے لیے بھی ایک دفتر درکار ہوگا۔

ان میں مشہور شاعرات یہ ہیں۔

1۔ ادا جعفری (بدایوں):

اردو شاعری میں تانیثی رویہ اور لب ولہجہ کے اظہار میں ادا جعفری سرفہرست ہیں۔ ان کے یہاں خود اعتمادی اور خودشناسی پائی جاتی ہے۔ ان کی شاعری سے اندازہ ہوتا ہے کہ انھوں نے اپنے احساسات اور تجربات کو الفاظ میں ڈھالنے کی کامیاب کوشش کی ہے۔ اس زمانے میں عورت شرم وحیاء، تابع داری اور روایتی بندشوں میں بندھی ایک کٹھ پتلی تھی۔ ایک فرمانبردار خاتون کے دل کی آواز کو ادا جعفری نے اپنی نظم 'ساز سخن بہانہ ہے' میں اس طرح بیان کیا ہے۔

غبار صبح وشام میں تجھے تو کیا
میں اپنا عکس دیکھ لوں میں اپنا اسم سوچ لوں
نہیں میری مجال بھی

کہ لڑکھڑا کے رہ گیا مرا ہر اک سوال بھی
مرا ہر اک خیال بھی
میں بے قرار و خستہ تن
بس اک شرار عشق مرا پیرہن
مرا نصیب ایک حرف آرزو
وہ ایک حرف آرزو تمام عمر سو طرح لکھوں
مرا وجود اک نگاہ بے سکوں
نگاہ جس کے پاؤں میں ہیں بیڑیاں پڑی ہوئی

2- کشور ناہید:

کشور ناہید پدرانہ نظام جبر کے خلاف مزاحمت کرنے والیوں میں سے ہیں۔ ازدواجی الجھن، سماجی نابرابری، تنہائی، کشمکش عورت سے متعلق تمام مسائل کو انہوں نے اپنی شاعری میں بڑے طنز و تیکھے لب و لہجے میں بیان کیا ہے۔ وہ بیوی اور شوہر کے رشتے کو حاکم و محکوم کا نہیں بلکہ دوستی، محبت اور برابری کا رشتہ مانتی ہیں وہ لکھتی ہیں۔

بھرتے ہیں جو شریک سفر ہم رہی کا دم
چلتے ہیں ساتھ ساتھ عناں گیر کی طرح

وہ اپنی نظم ''میں کون ہوں'' میں خواتین کی نمائش و سراپا اشتہار کے متعلق لکھتی ہیں۔

پہلے تم نے میری شرم و حیا کی خوب تجارت کی تھی
میری ممتا، میری وفا کے نام پہ خوب تجارت کی تھی
اب گودوں میں اور ذہنوں میں پھولوں کے کھلنے کا موسم ہے
پوسٹروں پر نیم برہنہ موزے بیچتی، جوتے بیچتی عورت میرا نام نہیں

کشور ناہید کے یہاں تانیثیت کے نام پر مغربی نام نہاد حقوق نسواں، آزادی نسواں جیسے پرفریب نعروں کی اندھی تقلید نظر نہیں آتی بلکہ وہ مشرقی خواتین کو پدرانہ نظام جبر سے آزادی تو دلانا چاہتی ہیں مگر مشرقی اقدار وروایات کی پاسداری کے ساتھ۔

3- فہمیدہ ریاض (میرٹھ):

فہمیدہ ریاض نے پدرانہ نظام جبر کے ساتھ ساتھ سیاسی وسماجی مسائل کو بھی اپنی شاعری کا موضوع بنایا ہے۔ عورت کا دل حساس اور جذبات سے مغلوب ہوتا ہے۔ خدا نے اس کے دل میں ممتا بھری ہے اس لیے وہ ہر فیصلہ دماغ کے بجائے دل سے کرتی ہے۔ عورت بے وفائی سہہ کر بھی وفا کا دم بھرتی ہے، فہمیدہ ریاض نے عورتوں کو نصیحت کرتے ہوئے کہا کہ

وصال ہجر کی باتیں پرانے قصے ہیں
شکست دل تو بڑی عام سی کہانی ہے
نئے زمانے میں جذباتیت سے کام نہ لو
وہ اک ذراسی شرارت ہی کیا محبت تھی

فہمیدہ ریاض خواتین کی ذہنی، جسمانی اور نفسیاتی اذیت کے اظہار میں غم و غصے کے ساتھ ساتھ جارحانہ اور طنزیہ لب ولہجہ اختیار کر لیتی ہیں۔ وہ چاہتی ہیں کہ عورت کو صرف اس کی جسمانی ساخت سے نہ پہچانا جائے بلکہ اس کے وجود اور شناخت کو بھی سمجھا جائے۔

4- پروین شاکر:

پروین شاکر اردو شاعری میں منفرد لب ولہجہ اور آہنگ کے لیے پہچانی جاتی ہیں۔ ان کی شاعری خواتین کے لطیف جذبات ونفسیات کی بہترین عکاسی ہے۔ موضوع وہی پرانا لیکن انداز بیان بالکل جدا اور انوکھا ہے ان کا پہلا مجموعہ ''خوشبو'' میں کنواری اور نوعمر لڑکیوں کے عشقیہ جذبات کی بہترین عکاسی کی گئی ہے۔ عورت کی چھوٹی چھوٹی خواہشوں، محرمیوں جیسے بہت سے تجربوں کو بڑے فنکارانہ انداز میں بیان کیا گیا ہے۔ پروین شاکر کو زبان وبیان پر بڑی قدرت حاصل ہے اسی لیے وہ معمولی خیالات اور تجربات کو اتنی خوبصورتی سے بیان کرتی ہیں کہ شاعری کا حسن دوبالا ہو جاتا ہے۔ مثلاً

تجھ کو کھو کر بھی رہوں خلوت جاں میں تیری
جیت پائی ہے محبت نے عجب مات کے ساتھ

خوشبو کے بعد کے سارے مجموعوں میں نسائی فکر اور نفسیاتی تجربات میں پختگی آتی گئی اور ان کی نظموں کا لب ولہجہ مزاحمتی ہو کر انکار کی منزل تک جا پہنچتا ہے۔ عورت کو درپیش مسائل ان کی نظموں کا موضوع بنتے گئے۔ ان کی نظمیں ذاتی تجربات ومشاہدات کا نتیجہ معلوم ہوتی ہیں اسی لیے حقائق اور فطرت سے قریب نظر آتی ہیں۔ مثلاً ان کی نظم ''بشیرے کی گھر والی'' اس کی مثال ہے۔ ان کے علاوہ رفیعہ شبنم، سارہ شگفتہ، زاہدہ زیدی، ترنم ریاض، عذرا عباس، شائستہ حبیب، عرفانہ عزیز اور ساجدہ زیدی وغیرہ نے بھی اردو ادب میں ایک ناقابل فراموش کردار ادا کیا ہے اور اپنے منفرد لب ولہجے اور انداز کے ساتھ عورتوں کے مسائل کو اپنی شاعری کا موضوع بنایا ہے۔

OO

Ansari Asifa Badruzzaman
57 Old Thana Road, Bhiwandi, Disst. Thane (M.S)

گذشتہ سے پیوستہ

تعزیرات ہند اور خواتین
جنسی و دیگر جرائم

خواجہ عبدالمنتقم

مگر شرط یہ ہے کہ جرمانہ اتنا ہوگا جس سے ستم رسیدہ شخص کے طبی اور باز آبادکاری کے اخراجات کو بخوبی پورا کیا جاسکے؛

مگر مزید شرط یہ ہے کہ اس دفعہ کے تحت عائد کیے گئے جرمانے کی رقم ستم رسیدہ کو دی جائے گی۔

بار بار جرم کرنے والوں کے لیے سزا

Punishment for repeat offenders

دفعہ 376ہ: جو کوئی دفعہ 376 یا دفعہ 376الف یا دفعہ 376د کے تحت قابل سزا کسی جرم کے لیے پہلے بھی مجرم قرار دیا چکا ہے اور اسے متذکرہ بالا دفعات میں سے کسی بھی دفعہ کے تحت قابل سزا جرم کے لیے بعد میں مجرم قرار دیا جاتا ہے، اسے عمر قید یعنی اس کی بقایا قدرتی زندگی تک کی، یا سزائے موت دی جائے گی۔

جرائم خلاف وضع فطری (Unnatural offence)

دفعہ 377: جو کوئی کسی آدمی، عورت یا جانور کے ساتھ بالارادہ مباشرت خلاف وضع فطری کرے اسے سزائے عمر قید، یا دونوں میں سے کسی بھی قسم کی 10 سال تک کی سزائے قید دی جائے گی اور وہ جرمانے کا بھی مستوجب ہوگا۔

تشریح: دفعہ ہٰذا میں مبینہ جرم کے لیے ضروری مباشرت خلاف وضع فطری کے لوازم پورا کرنے کے لیے دخول کافی ہے۔

کسی شخص کے ذریعہ سے جائز شادی کا یقین دلاکر دھوکہ سے ہم بستری کرنا

Cohabitation caused by a man deceitfully inducing a belief of lawful marriage

دفعہ 493: ہر ایسے شخص کو، جو کسی عورت کو جس کی جائز شادی اس کے ساتھ نہ ہوئی ہو، دھوکہ سے یہ باور کرواکے کہ اس عورت کی جائز شادی اس کے ساتھ ہوئی ہے اور اس یقین سے اس عورت کے ساتھ ہم بستر ہونے یا جماع کرنے کا باعث ہو، اسے دونوں میں سے کسی بھی قسم کی 10 سال تک کی سزا دی جائے گی اور وہ جرمانے کا بھی مستوجب ہوگا۔

خاوند یا بیوی کا دوران حیات دوسری شادی کرنا

Marrying again during lifetime of husband or wife

دفعہ 494: جو کوئی، جس کا خاوند یا جس کی بیوی زندہ ہو، کسی ایسی حالت میں شادی کرے جس میں ایسی شادی اس وجہ سے باطل ہے کہ وہ ایسے خاوند یا بیوی کی حیات میں ہی واقع ہوئی ہے، اسے دونوں میں سے کسی بھی قسم کی 7 سال تک کی سزائے قید دی جائے گی اور وہ جرمانے کا بھی مستوجب ہوگا۔

استثنیٰ: دفعہ ہٰذا کا اطلاق ایسے شخص پر نہ ہوگا جس کی شادی اس خاوند یا بیوی کے ساتھ اختیار سماعت والی کسی عدالت مجاز نے باطل قرار دی ہو:

اور نہ ہی ایسے شخص سے متعلق ہے جو اپنے سابقہ خاوند یا بیوی کے دوران حیات میں ہی شادی کر لیتا یا کر لیتی ہے اگر ایسا خاوند یا ایسی بیوی مابعد شادی کے وقت 7 سال کی مدت کے لیے ایسے شخص سے متواتر لاتعلق رہا ہو یا رہی ہو اور نہ ہی متذکرہ مدت کے لیے ایسے شخص کو اس امر کا کوئی علم ہو کہ وہ زندہ ہے بشرطیکہ ایسی مابعد شادی کرنے والا شخص ایسی شادی ہونے سے پیشتر اس شخص کو جس کے ساتھ ایسی شادی ہوئی ہو، اس مرد یا عورت کے علم میں جس قدر حقائق ہوں واضح کردیے جائیں۔

ویسے ہی جرم کا ارتکاب جبکہ ایسے شخص سے جس کے ساتھ دوسری شادی کی جاتی ہو سابقہ شادی کو خفیہ رکھا جائے

Same offence with concealment of former marriage from person with whom subsequent marriage is contracted

دفعہ 495: جو کوئی آخری متذکرہ دفعہ میں محولہ جرم کا مرتکب ہو اور جس نے ایسے شخص سے جس کے ساتھ وہ دوسری شادی کرتا ہے، سابقہ شادی کو صیغۂ راز میں رکھے تو اس صورت میں، اسے دونوں میں سے کسی بھی قسم کی 10 سال تک کی سزائے قید دی جائے گی اور وہ جرمانہ کا مستوجب ہوگا۔

جائز شادی نہ ہوتے ہوئے فریب سے ادا کی گئی شادی کی رسم

Marriage ceremony fraudulently gone through without lawful marriage

دفعہ 496: جو کوئی بددیانتی سے یا فریب کی نیت سے شادی کی رسوم، یہ جانتے ہوئے کہ اس طرح سے جائز شادی نہیں کر رہا ہے، ادا کرے، اسے دونوں میں سے کسی بھی قسم کی 7 سال تک کی سزائے قید دی جائے گی اور وہ جرمانہ کا بھی مستوجب ہوگا۔

زنا (Adultery)

دفعہ 497: جو کوئی، ایسی عورت سے جو کسی دوسرے کی بیوی ہے اور جس کی نسبت وہ جانتا ہو یا یہ باور کرنے کی وجہ رکھتا ہو کہ وہ کسی دوسرے شخص کی بیوی ہے، ایسے دیگر شخص کی رضامندی یا اغماض کے بغیر جماع کرے جو کہ جماع بالجبر کا جرم متصور نہ ہوتا ہو، تو وہ شخص زنا کے جرم کا مجرم ہوگا اور اس کو دونوں میں سے کسی بھی قسم کی 5 سال تک کی سزائے قید یا سزائے جرمانہ یا دونوں سزائیں دی جائیں گی، لیکن دریں صورت بیوی بطور معین جرم کی سزاوار نہ ہوگی۔

شادی شدہ عورت کو مجرمانہ نیت سے بہکا کر لے جانا بھگا لے جانا یا حراست میں رکھنا

Enticing or taking away or detaining with criminal intent a married woman

دفعہ 498: جو کوئی، کسی ایسی عورت کو جو دوسرے شخص کی بیوی، ہو یا جس کی نسبت وہ جانتا ہو یا یہ باور کرنے کی وجہ رکھتا ہو کہ وہ کسی دوسرے شخص کی بیوی ہے، اس شخص کے پاس سے یا کسی ایسے شخص کے پاس سے، جو مذکورہ شخص کی جانب سے اس عورت کا محافظ ہو، اس نیت سے بھگایا بہکا کر لے جائے کہ وہ کسی کے ساتھ ناجائز جماع کرے یا اس نیت سے ایسی کسی عورت کو چھپا کر یا حراست میں رکھے، اسے دونوں میں سے کسی بھی قسم کی 5 سال تک کی سزائے قید یا سزائے جرمانہ یا دونوں سزائیں دی جائیں گی۔

جہیز موت (Dowry Death) اور خواتین کے ساتھ ظالمانہ سلوک سے متعلق جرائم

جہیز موت (Dowry Death)

دفعہ 304ب: (1) جہاں کسی عورت کی موت جلا ڈالنے یا جسمانی ضرر کے باعث واقع ہوتی ہے یا اس کی شادی کے 7 سال کے اندر عام حالات سے مختلف صورت حال میں ہو جاتی ہے اور یہ بات سامنے آجاتی ہے کہ اس کی موت سے ذرا قبل اس کے شوہر نے یا اس کے شوہر کے کسی رشتہ دار نے جہیز کی کسی مانگ کے لیے یا اس کے متعلق اس کے ساتھ بے رحمی کی تھی یا اسے تنگ کیا تھا وہاں ایسی موت کو جہیز موت کہا جائے گا اور ایسے شوہر یا رشتہ دار کی بابت یہ سمجھا جائے گا کہ وہ موت کا باعث بنا ہے۔

تشریح: اس ذیلی دفعہ کی اغراض کے لیے "جہیز" کے وہی معنی ہیں جو ممانعت جہیز ایکٹ 1961 (ایکٹ نمبر 28 بابت 1961) کی دفعہ 2 میں ہیں۔

(2) جو کوئی جہیز موت کا ارتکاب کرتا ہے اس کو قید کی جس کی میعاد 7 سال سے کم کی نہیں ہوگی، لیکن جو عمر قید تک کی ہو سکے گی، سزا دی جائے گی۔

کسی عورت پر اس کے خاوند یا خاوند کے رشتے داروں کے ذریعہ ظلم کیا جانا

Husband or relative of husband of a women subjecting her to cruelty

دفعہ 498الف: جو کوئی، کسی عورت کا خاوند یا خاوند کا رشتے دار ہوتے ہوئے، ایسی عورت پر ظلم کرے اسے 3 سال تک کی سزائے قید دی جائے گی اور وہ جرمانے کا بھی مستوجب ہوگا۔

تشریح: -اس دفعہ کی اغراض کے لیے "ظلم" سے مراد ہے—

(الف) کوئی ایسا دانستہ طرز عمل جو اس نوعیت کا ہو، جس سے یہ امکان ہو کہ عورت خودکشی کا ارتکاب کرنے پر مجبور ہو جائے گی یا جو اس عورت کی زندگی، عضو یا صحت کے لیے (خواہ ذہنی یا جسمانی) شدید ضرر یا خطرے کا باعث ہوگا، یا

(ب) عورت کو اذیت پہنچانا جبکہ ایسی اذیت اس کو یا اس کے کسی رشتے

دار شخص کو کسی جائیداد یا قیمتی کفالت کے کسی ناجائز مطالبے کو پورا کرنے کے نظریے سے یا ایسے مطالبے کو پورا کرنے سے اس عورت یا اس کے کسی رشتے دار شخص کے قاصر رہنے کی بنا پر ہو۔

اگر دھمکی ہلاک کرنے یا ضرر شدید وغیرہ پہنچانے کے لیے ہو

Criminal Intimidation

دفعہ 506: جو کوئی، تخویف مجرمانہ کا مرتکب ہو، اسے دونوں میں سے کسی بھی قسم کی دو سال تک کی سزائے قید یا جرمانہ یا دونوں سزائیں دی جائیں گی؛

اور اگر یہ دھمکی ہلاکت یا ضرر شدید پہنچانے کی یا کسی جائیداد کو نذر آتش کر کے تلف کرنے کی یا کسی ایسے جرم کی، جو قابل سزائے موت یا عمر قید یا سات سال تک کی سزا کے قابل ہو یا کسی عورت کی عصمت پر تہمت لگانے کی دھمکی ہو، تو اس صورت میں دونوں میں سے کسی بھی قسم کی سات سال تک کی سزائے قید یا سزائے جرمانہ یا دونوں سزائیں دی جائیں گی۔

کسی عورت کی عفت میں دخل اندازی کی نیت سے کہی گئی بات، کیا گیا اشارہ یا کی گئی حرکت

Word, gesture or act intended to insult the modesty of a woman

دفعہ 509: جو کوئی کسی عورت کی عفت میں دخل اندازی کی اس نیت سے کوئی بات کہتا ہے، آواز نکالتا ہے یا کوئی اشارہ کرتا ہے یا کوئی چیز دکھاتا ہے کہ وہ عورت وہ بات یا آواز سنے گی یا ایسا اشارہ سمجھے گی یا اس چیز پر اس کی نظر پڑے گی، یا ایسی عورت کی خلوت میں دخل انداز ہوتا ہے، تو اس صورت میں اسے 3 سال تک کی سادہ قید (قید بلامشقت) کی سزا دی جائے گی اور جرمانہ بھی عائد کیا جائے گا۔

(ماخوذ خواتین سے متعلق جنسی و دیگر جرائم، قومی اردو کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی)

■■■

فرہنگ آصفیہ سے

آبِ زمزم۔ ف+ع۔ اسم مذکر (آب+زمزم) مادّہ (زم) (٭) کھاری پانی۔ ململا پانی۔ (از مدُّ القاموس) (٭) کعبہ کے کنویں کا پانی۔ اگرچہ یہ پانی ململا ہے مگر اس کا پینا نجات کا وسیلہ تصور کیا جاتا ہے۔

گیا جو اس کے کوچے میں وہ باچشمِ پُر آب آیا
حرم سے لاتے ہیں جس طرح زائر آبِ زمزم کا (ناسخ)
ترے عاشق کو ہے یوں خوشگوار آبِ دمِ خنجر
مسلماں کو لگے جس طرح شیریں آبِ زمزم کا (ذوق)

کہتے ہیں کہ جب بیوی ہاجرہ کے پیٹ میں حضرت اسماعیل پڑے تو حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنی پہلی بیوی سارہ کو رشک نہ ہونے کے خیال سے انہیں مکّے کے میدان میں چھوڑ گئے۔ یہاں آکر حضرت اسماعیل علیہ السلام پیدا ہوئے تو اس وقت ان کی والدہ کو نہایت تشنگی ہوئی اور پانی کے واسطے ادھر ادھر بلبلاتی پھریں۔ خدا کی شان، جس زمین پر حضرت اسماعیل پڑے ہوئے ٹانگیں مار رہے تھے ان کی ایڑیاں جو لگیں وہاں سے پانی رسنے لگا اور بعض لوگوں کا بیان ہے کہ حضرت جبرئیل نے خدا تعالیٰ کے حکم سے اس زمین پر آکر ایک ایسا پر مارا کہ زمین کا پردہ پھٹ گیا اور پانی ابھر آیا۔ غرض جب وہ پانی بہنے لگا تو آپ نے چاروں طرف سے مٹی روک کر اس پانی سے ارشاد فرمایا کہ (زم زم) یعنی تھم جا تھم جا۔ جب سے اس متبرک چشمے کا نام زمزم ہو گیا۔ چونکہ یہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کا ایک معجزہ ہے اور خانہ کعبہ میں بھی اس کا پانی صرف ہوتا ہے اس سبب سے اہل اسلام اس کی بڑی عزت کرتے اور دور دور لے جاتے ہیں، بلکہ مرتے وقت اس پانی کا منہ میں چوانا باعثِ نجات تصور کرتے ہیں۔ ان کا اعتقاد ہے کہ اس چشمہ میں جنت کی سوت ہے اور از روئے حدیث یہ کل امراض کے واسطے آبِ شفا ہے۔ مشہور ہے کہ آدمی جس چیز کی نیت کر کے اس پانی کو پیتا ہے اسی کا مزہ اس کو ملتا ہے۔

بعضوں نے شہد کا مزا پایا ہے بعضوں نے دودھ کا ذائقہ لیا ہے اس کے علاوہ یہ پانی غذا کا کام بھی دیتا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

صنوبر کے سائے

حجاب امتیاز علی

میں جب سے ان پہاڑی علاقوں میں آئی تھی، نہر روحناک کی رعنائیوں کا ذکر ہر خاص و عام سے سنتی تھی۔ لوگ کہتے اس کے صنوبر کے سایوں سے ڈھپے ہوئے کناروں پر سہانے خوابوں کی رومان جھلملاتی ہے۔ پہاڑی خانہ بدوشوں کا بیان تھا کہ نامعلوم پہاڑوں کی بلندیوں نے ایک مواتم پر آسمان کے نیل میں شگاف کر رکھا ہے اور روحناک کی نیلی دھاروہیں سے اترتی اور کوہساروں میں سے ہرتی پھرتی اس وادی میں ایک نیلی نہر بن کر آنکلتی ہے۔

بھلا آپ غور کیجیے۔ ان رومانی فقروں کو سن کر مجھ جیسی سیر و سیاحت کی دلدادہ سے کب نچلا بیٹھا جا سکتا تھا؟

ایک دن میں نے اپنی محبوب سہیلی جسوتی سے مچل کر کہا۔ ”جسوتی! ہمیں آئے دو ہفتے گزر چکے۔ مگر ہم نے نہر روحناک کی سیر اب تک نہیں کی۔ تم پسند کرو تو آج شام کشتی کی سیر کو چلیں۔“

جسوتی کو آپ جانتے ہیں۔ سفید چہرے والی سلیم الطبع لڑکی ہے۔ اس سفر میں میں اسے اپنے ساتھ تقریباً کھینچ کر لائی تھی۔

اس نے مسکرا کر کہا۔ ”جیسی تمھاری مرضی روحی۔ لیکن پانی سے مجھے ڈر لگتا ہے۔“ اسی وقت جسوتی کے ایک محبوب حبشی نژاد خانہ زاد نے کہا۔ ”خاتون میں نے سنا ہے ساحل روحناک میں ایک بہت مشاق سو سال کا بوڑھا ملاح رہتا ہے۔ اس کی کشتی کبھی لہروں پر نہیں ڈگمگاتی۔ اگر آپ اجازت دیں تو اسی کی کشتی کرائے پر لے لی جائے۔“

میں نے بے پروائی سے کہا۔ ”کوئی ملاح اور کوئی کشتی ہو۔“

جسوتی کہنے لگی۔ ”سو سال کا ملاح خاک کشتی چلاتا ہوگا؟“

خانہ زاد نے کہا۔ ”خاتون! سنا ہے وہ ستر سال سے کشتی بانی کرتا ہے اور آج تک اس کی کشتی کو کوئی حادثہ پیش نہیں آیا۔“ غرض اسی وقت ہم نے اسے کشتی کرایہ پر لینے اور شام کی چائے کا انتظام کشتی میں کرنے کے لیے روانہ کر دیا۔

جب ہم دونوں اس مقام پر پہنچے جہاں سے سیاح روحناک کی سیر کے لیے پانی کا سفر شروع کرتے ہیں تو ہم نے دیکھا کہ ایک سرخ اور نیلے رنگ کا مرصع شکارا ہمارے انتظار میں ہے۔ اس کے موتیوں کے کانپتے ہوئے پردوں میں سے ایرانی قالین پاروں پر رکھے ہوئے خوش وضع اور خوش قطع تکیے دعوت استراحت دے رہے تھے۔

میں نے مسکرا کر جسوتی سے کہا۔ ”یہ تو خلیفہ بغداد کا محراب تفریح معلوم ہوتا ہے۔“

اندر آرام سے نیم دراز ہونے کے بعد ہم نے مڑ کر کشتی چلانے والے کو دیکھا۔ ایک صد سالہ کشتی کے پرلے سرے پر چپو ہاتھ میں لیے بیٹھا تھا اس کے مرجھائے ہوئے چہرے پر سفید لمبی داڑھی کے بال ہلکی ہلکی ہوا سے کانپ رہے تھے۔ پرانی آنکھوں میں زندگی کی تابانی و درخشانی نہ تھی۔ بلکہ جیسے ایک دھند میں سے ماضی کی حسرت دیدار چمکتی نظر آ رہی تھی۔

حبشی خانہ زاد نے چائے تیار کر رکھی تھی۔ ہم گرم گرم چائے کے خوش گوار گھونٹ حلق سے اتارتے دھیرے دھیرے روحناک کی طرف جا رہے تھے جس کے نیل پر غرور آفتاب مچل مچل کر شہاب پاشی کر رہا تھا۔

منظر بتدریج وارفتہ سا ہوا جا رہا تھا۔ ہواؤں میں پانی کے تھپیڑوں کی موسیقی بڑھ رہی تھی۔ پانی کی چھوٹی چھوٹی لہروں کی آواز پر شبہ ہوتا تھا جیسے کہیں دور خواب کے جزیرے میں پانی برس رہا ہو۔ فطرت اپنی بے ساختہ رعنائیوں کا دامن پھیلائے ہمارے سامنے تھی۔ ایک تصویر جس میں ڈھلتے ہوئے سورج کا ہر لمحہ نئے انداز سے رنگین موقلم کی شعبدہ بازیاں دکھا رہا تھا۔ اے اللہ! سچ مچ وہ خواب کی سرزمین تھی رومان کا جزیرہ تھا۔

سیدھے اور تناور صنوبر جیسے دم بخود کھڑے تھے اور ان کے درمیان سے کہیں پھولوں سے ڈھکی ہوئی ڈھلوانیں نظر آتیں، کہیں ایک اچھوتے نور میں نہائے ہوئے ہرے ٹیلے اور کہیں افق کے سحاب پاروں میں کھوئے ہوئے کہسار۔

ہم چپ تھے۔ مجھے معلوم نہ تھا ہم کتنی دور نکل گئے اور ہمارے شکارے کو چلتے کتنا وقت ہو گیا۔

یکا یک حبشی خانہ زاد کی آواز نے ہمیں چونکا دیا۔

”جناب اب واپس چلیے۔ آفتاب غروب ہو رہا ہے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ پانی کے راستوں پر ہم بھٹک جائیں۔“

بوڑھے ملاح نے ایسے چہرے سے جس پر مسکراہٹ کا شبہ ہوسکتا تھا، کہا۔ ''راہ سے بھٹکنا ناممکن ہے۔ میں ساٹھ ستر سال سے ان آبی راستوں کا عادی ہوں۔''

میں ذرا دیر چپ چاپ ملاح کا چہرہ تکتی رہی جس پر زندگی کے گرم وسرد نے طرح طرح کی جھریاں ڈال رکھی تھیں۔ پھر پوچھا۔ ''کیا تم قریب قریب ایک صدی سے یہاں رہتے ہو؟''

''جی ہاں۔'' ''تمھارا مکان کہاں ہے؟''

''مکان کہیں نہیں خاتون، صنوبر کے ان سایوں تلے پڑا رہتا ہوں۔''

''صنوبر کے سایوں تلے؟'' میں نے حیران ہو کر کہا۔ ''بے پناہ گرمی اور لرزا دینے والی سردی تمھیں زندگی سے بیزار نہیں کرتی۔ اس کا تمھارے پاس کیا علاج ہے؟''

''علاج؟'' اس نے ایک پھیکی ہنسی کے ساتھ کہا۔ ''میرے پاس پرانی یادیں ہیں جس کے پاس کوئی یاد ہو اس پر کسی موسم کا اثر نہیں ہوتا۔''

میری دلچسپی یک لخت بڑھ گئی۔ ''تمھارا ماضی تو افسانوں سے لبریز معلوم ہوتا ہے۔'' مگر بوڑھے نے میری بات کی طرف توجہ نہ کی۔ آپ ہی آپ بڑبڑا رہا تھا۔ ''مجھے صنوبر کے سایوں تلے رہنا پسند ہے۔ مجھ پر ان سایوں سے چند گھنٹے کی مفارقت بھی شاق گزرتی ہے۔ جب ہی تو میں شہر میں مزدوری کرنے نہیں جاتا۔ میں ان سایوں تلے کشتی لیے ادھر ادھر پھرتا رہتا ہوں۔''

''کیا تم ہمیں اس راز سے آگاہ کر سکو گے کہ صنوبر کے سایوں سے تمھیں کیوں عشق ہے؟ میں نے التجا کے لہجہ میں پوچھا۔

''یہ کوئی راز نہیں۔'' اس نے دم توڑتے ہوئے سورج کے مقابل ایک سیاہ تصویر بن کر کہا۔ سبھی جانتے ہیں کہ مجھے صنوبر کے سایوں سے کیوں محبت ہے اور کیوں میں اپنی زندگی کی آخری سانس ان کے نیچے ختم کرنا چاہتا ہوں۔''

جسوتی اور میں کہنیاں تکیوں پر رکھ کر متوجہ ہو گئیں۔ کشتی بہاؤ پر جا رہی تھی۔ شام کے اندھیرے آسمان پر اب چاند مسکرانے لگا تھا، دور کہیں مرغابی کی قیں قیں سنائی دے رہی تھی اور بڈھا چپو ہاتھ میں تھامے بے پروائی سے اپنی زندگی کی کہانی کہہ رہا تھا۔

''آج سے ستر سال پہلے کا ذکر ہے کہ دنیا میری نظروں میں نوجوان تھی۔ زندگی کی ہر کروٹ پر ہزاروں ہی دلفریبیاں محسوس ہوتی تھیں۔ میں غریب ملاح نہ تھا اور ان پہاڑی علاقوں کا ایک خوشحال تاجر تھا۔

''بہار کے موسم میں ایک دن شام کے آسمان پر سنہرا چاند ہنس رہا تھا۔ جب میں اسی روحناک کے ساحل پر ان ہی صنوبر کے سایوں تلے چہل قدمی کے لیے نکل آیا۔ میری نظر پہاڑی حسن کے ایک نادر نمونہ پر پڑی...... ایک کمسن لڑکی پر جو صنوبر کے سائے تلے ایک سبز پتھر پر بیٹھی ایک ٹوکری بن رہی تھی۔ مجھ سے تفصیل کی رنگینی نہ مانگیے۔ رات کا اندھیرا اتر آئے گا۔ سمجھ لیجیے میں خود وہاں نہ آیا تھا۔ مجھے وہ قوت وہاں کھینچ لائی تھی جو ہر نوجوان کے دل کو زندگی کے پھولوں کے درمیان کشاں کشاں لیے پھرتی ہے۔

''ہم میں محبت شروع ہو گئی۔ ہم شباب کی ایک رنگین وارفتگی میں باہم محبت کرنے لگے۔ ہم ہر روز ان ہی صنوبر کے کانپتے ہوئے سایوں تلے ملتے اور اپنی آرزوئیں ایک دوسرے کے دھڑکتے ہوئے دل سے کہتے۔ بہت جلد ہماری شادی ہو گئی۔''

اسی وقت اچانک صنوبر کے درخت پر سے اک ناشاد بلبل یکا یک چلائی۔ بوڑھے نے مڑ کر اسے دیکھا اور پھر لرز کر کہا۔ ''یہ دیوانہ پرند کہہ رہا ہے کہ محبت بہت ظالم چیز ہے۔''

جسوتی نے مجھے اور میں نے جسوتی کو چپ چاپ دیکھا۔ اس بوڑھے دل میں یقیناً کبھی اشعار کے چشمے ابلتے رہے تھے۔ ''بوڑھے نے چند ہاتھ چپو کے چلائے اور ایک آہ بھر کو بولا۔

''شادی کے بعد چھ مہینے نہایت سنہرے گزرے پھر ایک نحس خواب نے ہماری زندگی کا رخ پلٹا دیا۔ ایک صبح جوں ہی میری بیوی نے تکیے پر نیند سے آنکھیں کھولیں اداس لہجے میں بولی۔ ''میں نے ایک ہولناک خواب دیکھا ہے۔''

میری محبت کی نظروں نے اس سے پوچھا۔ ''کیا خواب؟''

بیوی نے آہ کھینچ کر کہا۔ ''میں نے رات تقدیر کے فرشتے کو دیکھا۔ جو پہاڑوں کی بلندیوں پر اپنے پر ہلا ہلا کر کہہ رہا تھا کہ اگر تم نے اپنے بالوں میں ایک کاسنی رنگ کا گلاب نہ سنوارا تو تمھارا گھر اجڑ جائے گا۔''

''آج سے ستر سال پہلے دنیا بہت اوہام پرست تھی۔ چنانچہ بیوی کا یہ ہولناک خواب سن کر میرا عشق سہم سا گیا۔''

میری پریشانی دیکھ کر وہ بولی۔ ''پر اتنے فکر کی کیا بات ہے؟''

میں نے کہا۔ ''فکر کیسے نہ ہو؟ شیریں! کیا تجھے معلوم ہیں کہ کاسنی رنگ کا گلاب ان پہاڑی علاقوں میں نایاب ہے؟''

میری بیوی کا چہرہ پیلا پڑ گیا۔ ''نایاب؟ پھر کیا کرو گے؟ کاسنی رنگ کا گلاب آج رات تک بالوں میں لگانا ضروری ہے۔ ورنہ ہمارا یہ مسکراتا ہوا گھر تباہ ہو جائے گا۔ فرشتے نے یہی کہا تھا۔''

''نامعلوم اندیشوں سے گھبرا کر وہ رونے لگی۔ میں نے اس کا سر اپنے سینے سے لگا لیا اور وعدہ کیا کہ اطراف کے علاقوں کے تمام باغوں میں شہر کے

باغبانوں کو بھیجوں گا اور تاکید کروں گا کہ خواہ کسی قیمت پر دستیاب ہو کاسنی رنگ کا ایک گلاب لے آئیں۔ میری بیوی اپنے لمبے لمبے بال کھول کر نہانے کے لیے پہاڑی چشمے پر چلی گئی تاکہ گلاب آنے سے پہلے بال سنوار لے۔ میں پریشانی کے عالم میں اسی وقت کاسنی گلاب کی تلاش میں نکل گیا۔ شہر کے ہر باغبان سے ملا۔ مگر ایک ایک نے کہا کہ اس علاقہ میں کاسنی رنگ کا گلاب کہیں نہیں مل سکتا بیزار اور مایوس ہو کر میں حاکم شہر کے باغبان کے ہاں گیا۔ اپنی ضرورت اس کے آگے کہی۔ وہ بڑا ہی سفاک آدمی تھا۔ سوچ کر بولا۔ ''کاسنی گلاب ہمارے باغ میں ہے تو۔ پر اس کی قیمت چھ اشرفی سے کم نہیں۔''

میں نے چھ اشرفیاں اس کی ہتھیلی میں رکھ دیں اور کاسنی گلاب لے کر خوش خوش گھر پہنچا۔

میری بیوی کاسنی گلاب دیکھ کر باغ باغ ہو گئی اور مسکرا کر بولی۔ ''اگر آج میں یہ گلاب بالوں میں نہ سنوار سکتی تو نہ جانے ہم پر کیا مصیبت آتی۔''

میں نے کہا۔ ''اسے فوراً بالوں میں لگا لو۔''

پر نہ جانے اس نے کس خیال سے کہا۔ ''میرے بال گیلے ہیں ابھی نہیں لگاؤں گی۔ جب رات شروع ہو گی تو لگا لوں گی۔''

یہ کہہ کر اس نے ایک بلوری صراحی میں پانی بھرا اور پھول کو اس میں رکھ کر تازہ ہوا کے خیال سے صراحی دریچے میں رکھ دی۔ میں دن بھر گلاب کی سرگردانی میں اپنے کام پر نہ جا سکا تھا۔ دکان پر جا بیٹھا۔ رات کے وقت جب گھر واپس آ رہا تھا تو میرا پرانا دوست حمری مجھے میرے گھر کے قریب ہی مل گیا۔ اسے میں نے ادھر کئی ہفتوں سے نہ دیکھا تھا۔ خوش ہو کر گلے سے لگا لیا۔

''میں تمھارے ہی ہاں گیا تھا۔ تم نہ ملے تو مایوس ہو کر واپس آ گیا۔''

اس نے یہ جملہ ختم بھی نہ کیا تھا کہ میری نظر اس کے عبا کے کاج پر پڑ گئی۔ میرا خون میری رگوں میں جم گیا۔

میں نے یک لخت پوچھا۔ ''حمری یہ کاسنی گلاب تمھیں کہاں سے ملا؟''

حمری طبعاً شوخ تھا ہنس کر بولا۔ ''کیوں؟ تمھیں کیوں کرید پیدا ہوئی؟ میری محبوبہ نے مجھے تحفہ دیا ہے، نایاب چیز ہے۔''

میری آنکھوں تلے اندھیرا چھا گیا اور میں لڑکھڑا سا گیا۔ وہ خواب! تقدیر کا فرشتہ! اس کی پیشین گوئی! سب جھوٹ تھا! محض حمری کی عبا کا کاج سجانے کے لیے میری بیوی نے یہ رنگین جھوٹ تراشا۔ ہائے ظالم زندگی! سنگدل زندگی!

میں غصہ میں کانپتا ہوا گھر پہنچا۔

مجھے دیکھتے ہی میری بیوی دوڑی دوڑی آئی اور اشک آلود آنکھوں سے بولی۔ ''افسوس! بدبختی دیکھو کہ وہ پھول غائب ہو گیا۔ اے خدا میں اب کیا کروں؟ ہم پر ضرور کوئی مصیبت نازل ہو گی۔''

''ضرور نازل ہو گی۔'' میں نے گرج کر کہا۔ ''موت سے زیادہ بڑی مصیبت اور کوئی نہیں ہو سکتی۔ سمجھ لو تمھاری موت آ گئی۔''

بیوی حیران ہو کر مجھے دیکھنے لگی۔ مگر اس وقت مجھے اس کی ایک ایک حرکت سے عیاری ٹپکتی ہوئی معلوم ہوتی تھی۔ میں نے پھر چیخ کر کہا۔ ''تمھاری موت آ گئی۔ تقدیر کے فرشتے کی پیشین گوئی کے لیے تیار ہو جا۔''

وہ متعجب ہو کر بولی۔ ''تم کیا کہتے ہو؟ ایسا نہ کہو۔ خدا کے لیے کاسنی گلاب کو ڈھونڈو میں نے اسے باغ کی دریچے میں تازہ ہوا کے لیے رکھ دیا تھا۔ اندر بال سنوارنے گئی تھی۔ واپس آ کر دیکھتی ہوں تو پھول وہاں نہ تھا۔''

اس کی ان مکار باتوں نے میرے تن بدن میں شعلے سے بھڑکا دیے۔ میں نے اس کے نرم بازوؤں کو اپنے مضبوط ہاتھوں میں پکڑ لیا اور اس زور سے دیوار پر دھکا دیا کہ ٹکر کھا کر اس کے سر سے خون کا ایک سرخ فوارہ پھوٹ نکلا۔

راتوں رات میں نے اسی صنوبر کے سائے تلے دفنا دیا جہاں اس سے میری پہلی ملاقات ہوئی تھی۔

ایک جنون کی بے اختیاری میں میں گھر کی طرف لوٹ رہا تھا کہ اتفاق سے میرا دوست حمری پھر مجھے ایک گلی کے موڑ پر مل گیا۔ اسے دیکھتے ہی میری آنکھوں میں خون اتر آیا۔ وہ ہنس کر بولا۔ ''تمھاری آنکھیں ایسی سرخ ہو رہی ہیں جیسے تم خون کر کے آئے ہو۔'' وہ اسی طرح باتیں کرتا رہا گویا میں اس کے راز سے ناواقف ہوں۔

میں نے لپک کر اس کا گریبان پکڑ لیا اور بولا۔ ''بدماش تو سمجھتا ہے کہ میں نے خون نہیں کیا؟ میں اسے ٹھکانے لگا چکا ہوں۔'' یہ کہہ کر کاسنی رنگ کا گلاب میں نے اس کی عبا کے کاج سے نوچ کر زمین پر دے مارا اور اپنے جوتوں کی مجنونہ حرکت سے مسل ڈالا۔

حمری آنکھوں میں دہشت لیے میرا چہرہ تک رہا تھا۔ جب میں نے اسے کہا کہ میں نے اس کی محبوبہ کا خاتمہ کر دیا اور اب اس کا کام تمام کر دینے پر آمادہ ہوں تو اس نے ایک دل دوز چیخ ماری اور کہنے لگا۔ ''کوتہ اندیش جلد باز! تو بدبخت ہے! وہ گلاب تو میں نے سڑک پر سے اٹھایا تھا۔ میں بازار سے گزر رہا تھا کہ گلاب کا پھول دیکھ کر اٹھا لیا۔ شاید تمھارے ہی دریچے سے نیچے گر پڑا ہو۔''

یہ سن کر میری آنکھوں تلے اندھیرا چھا گیا۔ ایک ایسا اندھیرا...... جس نے آج تک دنیا کی نیرنگیوں کو مجھ سے اوجھل کر رکھا ہے اور زندگی میرے لیے ایک کالی رات بن کر رہ گئی ہے! کشتی ساحل سے آ لگی۔

بجھائے نہ بنے

ترنم ریاض

ریشماں کو بجھا بجھا سا دیکھ کر میرے اندر اداسی کی ایک لہر سرایت کرگئی۔ اب کیوں اُداس ہے وہ۔ یہ بات میں بس سوچ کر رہ گئی۔ کیوں کہ میرے نزدیک اب اس کے سارے مسئلے حل ہو گئے تھے۔ طوفان گزر چکا تھا، کوئی نیا اندیشہ بھی نہیں تھا۔ پھر یہ بیماروں سی حالت۔ یہ غم زدہ تاثرات؟

کوئی ہفتہ بھر پہلے ریشماں کو شدید پریشانی کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ سب کی نگاہوں میں رسوا ہوتے ہوتے بچی تھی وہ۔ سامنے والے پارک کے کونے والے گھر کے باہر ایک تماشا سا ہو رہا تھا اور وہ چپ چاپ پارک کے جنگلے سے لگی متوحش سی دیکھ رہی تھی۔

''ارے ایسا ہی تو مرے جا رہا ہے تو میں کسی سے کم ہوں کیا۔ جوان بھی تو ہوں۔ اس بڑھیا کو کیوں لوٹ رہا ہے ماٹی ملے'' شنو نے دونوں ہاتھوں کی مٹھیوں سے اپنا گریبان اس زور سے کھینچا کہ اوپر کے دو بٹن ٹوٹ کر نیچے جا گرے اور ایک لڑھکتا ہوا اس کی ماں کے پاؤں کے پاس رُک گیا۔ شنو نے چھاتی پر دو ہتھڑ مارے۔

''اپنی اماں سے مُنہ کالا کیوں نہیں کرتا رے۔ حرام کے جنے۔ ارے یہ تو ہے ہی بد ماس۔ یہ بدماسی تو ہمارے باپ کو کھا گئی۔ اب نیا یار ڈھونڈے ہے۔ آخ تھو''۔

شنو کے منہ سے مارے غصے کے جھاگ اڑ رہا تھا۔ سانس پھول رہا تھا۔ ماتھے سے پسینہ بہہ رہا تھا۔ اور قمیض بدن سے چپک گئی تھی۔

''کوئی تیری اجت تو ہے نہیں۔ سب جانے ہیں۔ اب یہ بے سرم تجھے مل گئی''۔ وہ دوپٹے سے ماتھے کا پسینہ پونچھتے ہوئے بولی۔ اور سر پکڑ کر کھنکارنے لگی۔ پڑوس کی گاڑیوں کے ڈرائیور دور کھڑے ہو کر شنو کو کافی دلچسپی سے دیکھ اور سن رہے تھے۔

''ارے او۔۔۔ مردجات کے نام پر دھبے۔۔۔ ادھر تو آ۔۔۔ بلکونی سے کیا دیکھے ہے تو۔۔۔ جرا نیچے اتر۔۔۔ تیری ماں کے یار کا گھر ہے یہ کیا۔ چوکیداری تو ہے تو۔۔۔ میری ماں کی تنخواہ پر عیش کرے ہے حرامی پلے جین پہنے ہے۔۔۔ ادھر تو آ۔۔۔ اس بڈھی کو کیا مردانگی دکھاتا ہے ہیجڑے۔۔۔ آ مجھ سے بات کر۔۔۔ ارے ارے۔۔۔ تھو ہے۔۔۔ تھو ہے تجھ پر''۔

شنو نے داہنی طرف کی دیوار کے قریب تھوک دیا۔ اور دونوں پیروں کے تلوے زمین سے لگا کر بیٹھ گئی۔ اس نے بازو اونچے اٹھے ہوئے گھٹنوں پر رکھ کر انگلیاں ایک دوسرے میں پھنسا لیں اور ہونٹ بھینچ کر تیز تیز سانسوں پر قابو پانے کی کوشش کرنے لگی۔ اس کے نتھنے کپکپا رہے تھے۔ دوپٹے سے اس نے پسینہ پونچھ کر پیروں پر پٹخ دیا تھا۔

یہ گرمیوں کی ایک دوپہر تھی۔ لوگ کچھ تو گھروں سے باہر تھے اور کچھ لمبی لمبی دوپہر کی نیند کا لطف لے رہے تھے اور پھر کولروں اور ایئر کنڈیشنوں کے شور میں انھیں باہر کی آواز سنائی نہ دے رہی ہوگی۔ میں بھی اتفاقاً ہی ڈاک دیکھنے کے لیے نیچے گیٹ پر آئی تھی۔

سامنے پارک کے جنگلے سے لگی ریشماں پتھر کی مورت سی کھڑی تھی۔ وہ دونوں ہاتھ کمر کے پیچھے لے جا کر جنگلے کی سلاخ پکڑے ہوئے تھی۔ وہ کبھی اوپر بالکنی کی طرف نظر اٹھاتی اور کبھی بپھری ہوئی بلی کی طرح چیختی شنو کو دیکھتی۔ اسے شاید حالات کے یہ رنگ اختیار کرنے کی توقع نہیں تھی۔

ریشماں کی عمر کوئی ۵۴-۶۴ برس کی تھی۔ مگر دیکھنے میں وہ اپنی عمر سے دس برس کم نظر آتی تھی۔ سامنے کے مستطیل پارک کے گرد گلی نما پختہ سڑک اور پارک کے اس طرف کی قدرے چوڑی سڑک کی صفائی اس کے ذمے تھی۔ وہ کئی برسوں سے میونسپلٹی کی طرف سے خاک روب تھی۔ بچے ہوئے وقت میں گھروں میں صفائی وغیرہ بھی کیا کرتی۔ محنت کش ہونے کی وجہ سے چاق چوبند تھی۔

دو برس پہلے جب دولت زندہ تھا، تو اس کی کلائیوں میں درجن درجن بھر رنگین چوڑیاں سجا کرتیں۔ وہ اپنی چوڑیوں اور لباس پر دل کھول کر خرچ کرتی تھی۔ ٹخنوں پر چھم چھم کرتی پازیبیں پہنے وہ ادھر اُدھر ننگے پاؤں چلتی ہوئی کام کیا کرتی تو خاموش فضا میں حرکت کا احساس ہوتا۔ شوخ رنگوں کے لباس پہنے ہوئی بجی سنوری سی۔ اُس کا رنگ کچھ سانولا تھا اور ہونٹ سیاہی مائل ارغوانی سے جو چہرے میں سے نمایاں ہو کے، اُس کی چھوٹی مگر گہری سیاہ پتلیوں والی آنکھوں سے میل کھاتے تھے۔ گلے میں کالے کالے مہین دانوں کی مالا، کانوں میں سونے کی چھوٹی چھوٹی

بالیاں اور ناک میں ستارے کی ساخت کی لونگ۔

مگر دولت کے انتقال کر جانے کے ساتھ ہی وہ جیسے بجنا سنورنا بھول گئی۔ کوئی ۲۰۔۲۲ دن تو اسے اپنا ہوش ہی نہ رہا۔ گھر سے نکلی نہ کسی سے بولی۔ بیٹی نے سمجھایا بجھایا کچھ بیٹی کے بچوں نے اپنے بھول پن میں ماں کی ہاں میں ہاں ملائی اور اس نے اپنا وجود باہر کی طرف کھینچا جس دن دوبارہ کالونی میں آئی تو کسی ہلکے رنگ کا لباس پہنے ہوئے تھی وہ۔ گلے میں مالا بھی نہیں تھی۔ نہ ہی کلائیوں میں چوڑیاں، مگر اس سادگی نے اسے ایک الگ سا حسن عطا کر دیا تھا۔ جیسے ہری ہری گھاس پر کوئی سفید پھول کھل گیا ہو۔ یا نیلے آسمان میں بادل کا ایک ٹکڑا تیر رہا ہو۔ ایسا معلوم ہوتا جیسے وہ کوئی غیر شادی شدہ لڑکی ہے جس کی شادی کی عمر نکلا چاہتی ہو۔ کچھ دن وہ تھوڑا کام کر کے پارک کے کونے کے پاس باہری دیوار سے ٹیک لگا کر کچھ دیر بیٹھ کر چلی جاتی مگر رفتہ رفتہ اس نے پہلے کی طرح باقاعدگی سے کام کرنا شروع کر دیا بلکہ کچھ اور گھروں میں بھی کام طے کر لیا۔ کیوں کہ اب اسے گھر جانے کی کوئی ایسی جلدی نہیں تھی۔ پارک کے کونے کے بالکل سامنے والا گھر توڑا گیا اور اس کی جگہ ایک بڑی بلڈنگ تعمیر کی گئی۔

ریشماں نے بلڈنگ کے نئے مالک سے بات کر کے صفائی کا کام اپنے ذمے لے لیا۔ جب تک عمارت کے سارے فلیٹ بک جاتے اسے ان کی صفائی کرنا تھی پھر فلیٹ خریدنے والوں کی مرضی پر منحصر تھا کہ اسے رکھتے یا کسی اور کو۔

دن کا بیشتر حصہ وہ پارک کے گرد و پیش ہی نظر آتی۔ ایک گھر سے نکل رہی ہے۔ دوسرے میں جا رہی ہے۔ کام میں مگن۔ چپ چاپ شام سے کچھ ہی پہلے وہ گھر چلی جاتی۔ اب گھر میں اس کا کوئی منتظر نہ تھا۔ دولت تھا نہیں اور بیٹی سسرال واپس چلی گئی تھی۔

اس طرح کوئی دو برس بیت گئے۔ ریشماں کی جفاکشی میں کوئی فرق نہ آیا۔ کونے والی بلڈنگ کا کوئی فلیٹ تو بکا نہیں ہاں ایک چوکیدار ضرور رکھ لیا تھا مالک مکان نے۔

چوکیدار گاؤں سے تازہ تازہ وارد ہوا تھا۔ ۲۶،۲۷ سالہ نوجوان۔

گہری سانولی رنگت کا۔ چمکیلے بالوں اور لمبے لمبے ہاتھوں پیروں والا۔

چندو کو کوئی کام تو تھا نہیں۔ سارا سارا دن بلڈنگ کے اندر باہر بیکار بیکار سا گھوما کرتا۔

اُس دن ریشماں کچھ دیر سے کام پر آئی تھی۔ اصل میں اسے سنار کے پاس جانا تھا اپنی پازیبیں لینے، جو اس نے دھونے دی تھیں۔ آج اس نے کلائیوں میں ایک ایک موتی سی چوڑی پہن رکھی تھی۔ ہاتھ میں ایک بالکل نیا ٹفن بکس بھی تھا۔ وہ تو ادھر گھروں میں ہی کچھ کھا پی لیتی تھی۔ پھر یہ کھانا؟

"وہ چندو ہے نا — اس کے لیے — بے چارہ کچھ کھاتا پکاتا تو ہے نہیں۔ بس اِدھر اُدھر ٹھیلوں پر چنے کلچے کھا کھا کر بیمار ہو گیا۔ کل میں صفائی کرنے گئی تو بستر پر پڑا تھا جانے کب سے۔ ۳۱ نمبر والے ڈاکٹر صاحب سے دوائی مانگ لائی تھی میں پھر اُس کے لیے۔ ورنہ جنے کب تک بے چارہ پڑا رہتا۔ کوئی ہے بھی نہیں اُس کا — گاؤں میں دو بہنیں ہیں بس۔ کب کی بیاہی ہوئی"۔ وہ بات کرتے کرتے کچھ لمحے رُکی پھر سر پر دوپٹے کا آنچل ٹھہراتے ہوئے آہستہ سے بولی۔

"سادی ابھی ہوئی نا ہے اُس کی"۔ اُس کے سانولے چہرے پر ایک لمحے کے کسی سودیں حصے میں قوس قزح کا رنگ سا لہرا گیا—

کبیر نے کہا تھا:

اکھت کہانی پریم کی کچھو کہی نہ جائے
گونگے کیسری سرکرا بیٹھے مسکرائے

مگر دوسرے ہی لمحے مجھے خیال آیا کہ میرا یہ خیال صرف خام خیال ہے کہ اُس کی عمر چندو سے کہیں زیادہ ہے۔ وہ اس کی اکلوتی اولاد سے کچھ ہی بڑا ہوگا۔ تو— تو یہ ممتا ہی کا رنگ ہوگا— شاید بیٹے کی متمنی رہی ہو ریشماں۔

ریشماں نے چندو کا کمرہ سنوار دیا تھا اور ضرورت کی ہر چیز سے لیس کر دیا تھا۔ جیسے سٹو — کڑھائی — پتیلی وغیرہ۔ پیسے اس نے اپنی جیب سے خرچ کیے تھے۔ اسے دولت کی پنشن بھی ملا کرتی تھی اپنی تنخواہ تو تھی ہی۔ تنخواہیں ان لوگوں کی نسبتاً بہتر ہوتی ہیں — پھر اوپر کا کام بھی کرتی تھی — اور اکیلی جان کا خرچہ تھا ہی کتنا — یہ سب اس نے اپنی خوشی سے کیا تھا— وہ چندو کا کھانا بھی بنا دیتی بلکہ اس نے اسے بھی چائے بنانا سکھا دیا تھا—

چندو بھی ریشماں کے گھر جایا کرتا تھا—

ریشماں اس کا بہت خیال رکھتی تھی — ریشماں یا خود چندو کے گھر میں ہوتی یا چندو ہی اس کے گھر میں ہوتا تھا۔

کہیں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی تھی — سارے سلسلے ویسے ہی چل رہے تھے اور شاید ایسے ہی چلتے رہتے کہ اچانک ایک دن شقو بھی بیوہ ہو گئی۔ ساس نے اسے بچوں سمیت گھر سے نکال دیا تو وہ ماں کے گھر آ گئی اور حالات تیزی سے بدلنے لگے۔

شقو کو ماں کا چندو سے میل جول ایک آنکھ نہ بھایا اور اس نے ماں سے بولنا کم کر دیا۔ ریشماں چندو کے ہاں جاتی رہتی — اسے وہاں

صفائی بھی تو کرنا ہوتی تھی۔ بلکہ اب ریشماں کا زیادہ وقت چندو کے گھر میں گزرتا — چندو ریشماں کی مہربانیوں کا عادی ہو گیا تھا — یا جو بھی تھا — اب وہ دونوں ساتھ ساتھ نظر آتے تھے۔

شنّو نے جب یہ محسوس کیا کہ ریشماں اپنی کمائی چندو پر خرچ کر دیتی ہے، تو وہ ماں سے جھگڑے کرنے لگی۔ ریشماں اس کے ہر جھگڑے کا جواب خاموشی میں دیتی۔ اس سے شنو کو اور شہ ملتی۔ بات ریشماں کی کھولی سے نکل کر آس پاس کی کھولیوں میں پھیلنے لگی اور شنو نے ماں کو کھلے عام بدنام کرنا شروع کر دیا۔

اُن دنوں ریشماں کچھ پریشان پریشان سی رہنے لگی تھی۔ حتیٰ کہ شنو یہاں چلی آئی اور پارک کے باہر چندو کو پکار پکار کر جانے کیا اناپ شناپ بکنے لگی۔

ریشماں جب بھی کچھ نہ بولی — پارک کی ریلنگ تھامے ٹکر ٹکر دیکھتی رہی — چندو بھی گھر سے نہ نکلا۔

پڑوس کے بزرگ ملک صاحب نے شنو کو سمجھا بجھا کر خاموش کر دیا — ورنہ اس طرح کا برہنہ ہنگامہ کرنے پر اسے ڈانٹ ڈپٹ کر بھگایا جا سکتا تھا — مگر اب زمانہ بدل گیا تھا۔

بہرحال جب وہ چلی گئی تو ریشماں وہیں ریلنگ کے پاس بیٹھ گئی کچھ اور لوگ بھی اِدھر اُدھر تھے۔ کچھ دیر بعد ملک صاحب نے ریشماں کو بلایا تو وہ آہستہ آہستہ چلتی ہوئی اُن کے پاس آ گئی۔

''سب جانتے ہیں کہ تیری بیٹی بکواس کرتی ہے — تم کیوں اس طرح پریشان کھڑی ہو — جاؤ — کام وام کرو اپنا''۔ ملک صاحب نے نرمی سے کہا تو وہ سر جھکائے دوسری طرف چلی گئی۔

جب سے ۱۰، ۱۱ روز گزر گئے۔ ریشماں کام پر نہیں آئی۔ چندو بھی دو چار دن چھپا چھپا سا پھرتا رہا۔

کچھ اور دن گزرنے پر جب ریشماں آئی تو میں پہچان ہی نہ سکی اسے۔ وہ دس برس جو اس کی عمر میں کم نظر آتے تھے اس نے ان پندرہ دنوں میں جی لیے تھے۔ اُس کی آنکھوں کے گرد سرمئی دائرے پڑے ہوئے تھے۔

''کیا ہوا بیمار تھیں — ؟'' میں نے پاس جا کر دھیرے سے کہا۔

''نہیں جی'' وہ نظریں جھکا کر بولی۔

''پھر اتنی کمزور کیوں لگ رہی ہو؟۔ اتنے دن آئیں نہیں — ''

''بس اب کام چھوڑ دوں گی'' وہ یاس میں ڈوبے لہجے میں بولی۔

''کیوں؟ کام کیوں چھوڑو گی؟'' میں نے حیرت سے پوچھا۔

''گاؤں جاؤں گی — وہیں رہوں گی''۔

''مگر سب کچھ تو ٹھیک ہے — تمہارا کوئی قصور نہیں تھا۔ سب جانتے ہیں''۔

''جی نہیں وہ بات نہیں — وہ تو میں سہہ گئی تھی مگر — '' وہ گلوگیر سی آواز میں بولی۔

''پھر کیا ہوا اب تمہیں؟''۔

''اس کے دوسرے دن میں آئی بھی تھی — '' اُس کی آنکھیں بھر آئیں۔

''تو — پھر کچھ ہوا؟''

''سب کام والیاں پارک کی دیوار کے پاس بیٹھی تھیں — میں بھی تھی — وہ جو اماں ہے نا — وہ بوڑھی سی اماں — جو ۲۰ نمبر میں کھانا بناتی ہے ۲۰ سال سے — موٹے چشمے والی''۔

''ہاں ہاں — تو''

''وہ بولی تو بیاہ کیوں نہیں کرتی اس چندو سے — میں کچھ نہ بولی — اتنے میں چندو بھی ادھر سے گزرا — اماں نے اُسے آواز دی — بولی بیاہ کاہے نہیں کرتا اس سے — بدنام کر دیا بے چاری کو — میں چپ چاپ سنتی رہی — کچھ بھی نہ بولی — پھر سب میرے کو بولنے لگیں کہ تو کیا کہتی ہے ریشماں — چندو مجھے ہی دیکھے جا رہا تھا — میں — میں بولی کہ — میں بولی کہ میں تو تیار ہوں — چاہے کہیں لے جائے مجھے — بس بس بی بی جی — اتنا بولی کہ — '' ریشماں پھوٹ پھوٹ کر رو پڑی —

''اتنا بولی کہ وہ — '' وہ ہچکیاں لیتی رہی۔

''اتنا بولی کہ وہ — غصہ ہو گیا — بولا میرا کچھ ہے تمیں اس کے ساتھ میں تو ایسا کبھی سوچا بھی نہیں — اور پیر جور جور سے پٹختا ہوا چلا گیا'' ریشماں نے سر دیوار سے ٹکا دیا۔ اس کی آنکھوں سے آنسو رواں تھے۔

''اب جندہ نا رہوں گی بی بی جی — کچھ کھا لوں گی — جان دے دوں گی — میرے بنا چین نہیں تھا اُس کو — اب مجھے جانتا ہی نہیں — دھوکے باج — جلّت میں نے سہہ لی تھی — بی بی جی — مگر یہ بے وفائی — نا سہی جائے ہے مجھ سے — '' ریشماں زار و قطار روئے جا رہی تھی —

اور میں ادھ کھلے منہ پر ہاتھ دھرے — ذہن میں آتے جاتے خیالوں اور دل میں اُمڈتے درد کو دبانے کی کوشش میں اسے دیکھتی رہ گئی۔ ▪

Tarannum Riyaz

C-111, Jangpura Extension, New Delhi-110014

سراب

انور نزہت

میں اپنے اس خالی مکان میں تنہا رہ گئی تھی۔

چاروں طرف تنہائی اور بے چارگی کا ایک خول تھا جس نے میرے وجود کو اپنے گھیرے میں لے لیا تھا۔ میں نے دنیا کی ہر رنگینی، چمک دمک، شور شرابے، روشنی اور دھوپ سے دامن چھڑا کر اندھیروں کو اپنا لیا تھا۔ اندھیرے انسان کے لیے کبھی کبھی بہت ضروری اور اہم ہو جاتے ہیں۔

میں نے بھی اپنے کمرے کے سارے دروازے، کھڑکیاں بند کر لی تھیں اور خود کو اس اندھیرے کمرے میں مقید کر لیا تھا کہ باہر کی ذرا سی روشنی یا دھوپ کی ایک لکیر بھی داخل نہ ہو سکے۔ اس اندھیرے کمرے میں کتنا سکون ہے باہر کی تمام پریشانیاں اور فکریں باہر رہ گئیں۔ اور میں اندر سکون کے ساتھ سوچ رہی ہوں کہ میں نے کتنا اچھا کیا ہے جو خود کو اس کمرے میں بند کر لیا ہے... ورنہ میں بھی اس کائنات کے شور کا ایک حصہ بن کر اس میں گم ہو جاتی پر اب میں نے خود کو پا لیا ہے۔ اپنی شناخت کر لی ہے۔

دروازہ سختی سے مقفل کر کے اور چابی کہیں رکھ کر بھول گئی ہوں... میں یاد کرنا بھی نہیں چاہتی کیوں کہ باقی عمر میں اس بند کمرے میں بِتا دینا چاہتی ہوں...

یہ خالی کمرہ کتنا پرسکون ہے جہاں نہ کسی سے ملنے کا امکان... نہ بچھڑ جانے کا غم... جو کچھ ہے بس اپنی ذات میں ہے... اور میں اپنی ذات کے خول میں گم ہو جانا چاہتی ہوں... باہر کی دنیا میں نے بہت دیکھ لی جہاں کا انجام دکھوں کے سوا کچھ نہیں تو کیوں نہ سدا کے لیے دکھوں سے سمجھوتہ کر لیا جائے جب دکھ ہی اپنی قسمت ہیں تو کیوں نہ ان کے بیچ رہنے کی عادت ڈال لی جائے اب تو مجھے یہ تنہائی بھلی لگنے لگی ہے کتنی اچھی ہے یہ خالی خالی ویران سی چھوٹی سی نگری... جہاں میں اپنے آپ میں گم ہوں... دروازے پر دستک ہوئی ہے...

"کون ہے؟"

"ہوا"۔

"مجھے اب کسی کی ضرورت نہیں۔ میں نے اندھیروں میں خود کو ضم کر لیا ہے"۔

میں تازہ ہوا ہوں... تم میرے ایک جھونکے کو اپنے وجود سے چھو جانے دو پھر دیکھنا اس تاریکی اور گھٹن میں کتنی تازگی اور لذت محسوس کرو گی"۔

"اگر تم دروازہ نہیں کھولو گی تو میں خود باہر کی کھڑکی سے تمہارے کمرے میں آجاؤں گی...؟ تمہیں معلوم ہے میں جب کسی سے ناراض ہو کر اس کے پاس جاتی ہوں تو طوفان بن جاتی ہوں... کیسے کیسے تناور درخت میری یلغار سے زمین پر ڈھیر ہو جاتے ہیں۔ میرے کئی روپ ہیں، کئی نام ہیں... کبھی بادِ صبا کہلاتی ہوں... تو کبھی بادِ سموم... میں نسیمِ سحر بن کر دکھی تھکی، غم زدہ دماغوں اور پریشان لوگوں کو اپنے ٹھنڈے اور نرم جھونکوں سے تھپکیاں دے کر سلا دیتی ہوں... پریشان دماغوں کو سکون پہنچاتی ہوں... کیا تمہیں اب بھی میری ضرورت نہیں دروازہ کھولو۔ مجھے اندر آنے دو..."

"نہیں مجھے کسی کی ضرورت نہیں میں اندھیروں میں خوش ہوں"۔

"تم مایوس ہو گئی ہو... مایوسی میں کھو گئی ہو... میں تمہیں امید کی فضاؤں سے آشنا کراؤں گی... دروازہ کھولو اور میرے ساتھ چلو... باہر بہت حسن ہے ہرے بھرے پھولوں کے کنج ہیں، سرسبز درخت اور پتے ہیں... کیا تمہیں یہ سب پسند نہیں... میں جب چلتی ہوں پتے لہراتے ہیں پھول مسکراتے ہیں اور اپنی خوشبو سے پورے ماحول کو معطر کر دیتے ہیں... کیا تمہیں پھول پسند نہیں؟ ان کی خوشبو ان کی رنگینی پسند نہیں؟"۔

"نہیں مجھے کچھ پسند نہیں... ایک پھول جو اس باغ کا شہنشاہ کہلاتا

ہے اس کی خوشبو تمام پھولوں سے مختلف ہے ایک دن مجھے اچھا لگا اور میں نے اس کے حسن سے متاثر ہو کر اسے قریب جا کر چھو کے دیکھا... جیسے ہی میں نے اسے چھوا اس کا کانٹا میری انگلی میں اتنے زور چبھا کہ میری انگلی سے خون کی دھار بہنے لگی۔ سرخ خون نے باغ کی سبز زمین پر بچھی گھاس کو سرخ کر دیا... میں نے جلدی سے اس پھول کی ٹہنی کو چھوڑ دیا... تو پتہ ہے کہ وہ کتنے زور سے ہنسا تھا میری اس نادانی پر کہ میں نے اس کو چھولیا تھا''۔

''تم کیسی نادانی کی باتیں کرتی ہو جہاں پھول ہوتا ہے وہاں کانٹے اس کے ساتھ ضرور ہوتے ہیں... اسی لیے کہتی ہوں تم مجھ سے دوستی کر لو میں تمھیں زندگی کے گر سکھاؤں گی''۔ ''تم مجھ سے مل کر بہت خوش رہوگی میری دوستی تمھارے بہت کام آئے گی''۔

میں نے کہا'' چلو ٹھیک ہے... لیکن کیا مجھے تم اپنے ساتھ اڑنا سکھاؤ گی''۔

''ضرور سکھاؤں گی زمین سے آسمانوں کی بلندیوں میں لے جاؤں گی''۔

میں نے کھٹ سے دروازہ کھول دیا اور وہ اندر داخل ہوگئی۔ وہ مجھے اپنے ساتھ باہر کنج میں لے گئی... پہلے تو وہ مجھے زمین پر ہی اڑان کے اصولوں سے آگاہ کرتی رہی پھر جب اطمینان ہو گیا کہ میں اس کے ساتھ بلندیوں پر اڑ سکتی ہوں تب اس نے میرا ہاتھ تھام لیا... ہم دونوں فضاؤں میں اڑنے لگے... اونچے اور اونچے... میں نے محسوس کیا میرے بازوؤں میں پنکھ اُگ آئے ہیں اور میں بہت اونچائی پر پہنچ گئی ہوں... زمین ہماری نظروں سے اوجھل ہوگئی.. بلندی جتنی زیادہ ہوتی اسی قدر تسکین ملتی... اس اڑان کا ایک اپنا الگ ہی لطف تھا... زمین سے فضاؤں کی دنیا کتنی مختلف... کیسی انوکھی نظر آتی ہے... جہاں ٹھنڈی ہوا کے تیز جھونکے جسم کے ساتھ روح کو بھی سرشار کر رہے ہیں... یہاں کی بلندی سے زمین کی پستی کتنی حقیر اور کمتر لگنے لگی... اسی اثنا میں ایک پرندہ میرے قریب آ گیا اور بولا'' تم زمین کی باسی ہو جب آسمانوں میں اوپر آ گئی ہو تو ایک بات کا خیال رکھنا... اڑتے ہوئے نیچے کی جانب بالکل مت دیکھنا... ہم آسمان پر اڑنے والوں کا یہ اصول ہے''۔

میں نے اس کی بات پر توجہ نہ دی کیوں کہ میری دوست تو ہوا تھی جو مجھے لے کر آئی تھی اسی نے مجھے اڑنا سکھایا تھا... اسی نے اندھیرے سے نکال کر روشنی اور فضاؤں کے حسن سے روشناس کرایا تھا... وہ پرندہ میرے ساتھ ساتھ پرواز کر رہا تھا۔ پھر اس نے کہا۔ اب دیر ہوگئی ہے نیچے اتر چلو تم تھک گئی ہوگی''۔

میں نے اپنے دل میں سوچا پرندہ خواہ مخواہ ہمدردی جتا رہا ہے میں تو بالکل ہلکا پھلکا محسوس کر رہی ہوں۔ جیسے مجھے ایک طویل قید سے رہائی نصیب ہوئی ہو۔ اب میں آزاد ہوں... خود مختار جو چاہوں کر سکتی ہوں... ایک دم میں نے محسوس کیا جیسے میں زمین سے قریب اور آسمان سے کچھ دور ہوگئی ہوں... اپنی دنیا سے قریب میرا جی چاہا اڑتے ہوئے اپنے کاٹج کو دیکھوں... اس کی چھت کو دیکھوں، اس پر میں نے کچھ خوشبو والے پھولوں کے گملے لگائے تھے... اور جیسے ہی میں نے گردن جھکائی ایک چیخ کے ساتھ میں زمین پر آ گری۔ میری چیخ سن کر ہوا نے کہا...'' تم نے اس پرندے کی بات نہیں مانی اس پر عمل نہیں کیا... اس کو میں نے ہی بھیجا تھا''۔

میں نے بڑی بے بسی سے اثبات میں سر ہلا دیا۔

ہوا نے خفگی سے کہا...'' تم نے پہلی ہی اڑان میں تجربے کرنا شروع کر دیے اور پھر اس کا نتیجہ بھی دیکھ لیا''۔

''میں نے نیچے آنے میں تمھاری مدد کی ورنہ جتنی بلندی پر تم تھیں زمین پر گرتے ہی تمھارا وجود ریزہ ریزہ ہو جاتا''۔

''لیکن بڑے بڑے مفکروں نے تو یہ کہا ہے... بلندی پر اڑتے ہوئے پستی پر نظر رکھنی چاہیے''۔

''آسمان کی بلندیوں پر زمین کے فلسفے کام نہیں آتے'' ہوا نے کچھ ایسی حقارت سے قہقہہ لگایا کہ میرا پورا وجود سمٹ کر ایک ایسا نقطہ بن گیا جو سرسری نگاہ میں نظر بھی نہیں آتا۔

میں نے ایک بار پھر اپنے کمرے کے سارے دروازے، کھڑکیاں بند کر لی ہیں اور عہد کیا ہے کہ باہر کی کوئی آواز نہ سنوں گی۔

●●●

Anwar Nuzhat
H-1, Batla House, New Delhi-110025

فرہنگ آصفیہ سے

ابن مریم۔ ف۔ اسم مذکر۔ لقب حضرت عیسیٰ علیہ السلام۔ کیونکہ آپ کو حضرت مریم کے بطن سے خداتعالیٰ نے بذریعہ روح القدس پیدا کیا تھا اور آپ کو یہ معجزہ دیا تھا کہ آپ بیماروں اندھوں اور مردہ آدمیوں کو تندرست و زندہ کر دیتے تھے چنانچہ حضرت غالب نے شعر ذیل میں اس امر کا اشارہ کیا ہے

ابن مریم ہوا کرے کوئی
میرے دکھ کی دوا کرے کوئی (غالب)

صحرا میں نہیں رہنا

تبسم فاطمہ

وہ سامنے کھڑا ہے لیکن اسے نظریں ملاتے ہوئے بھی پریشانی ہو رہی ہے۔ کھلی کھڑکی سے دھوپ کی شعاعیں اندر تک آرہی ہیں۔ وہ ایک ٹک باہر کے مناظر میں الجھا رہا، لیکن میں جانتی تھی، اس کی آنکھیں کچھ بھی نہیں دیکھ رہی ہوں گی۔ ممکن ہے اس کے وجود میں ایک آندھی چل رہی ہو۔ مرد کے وجود میں اکثر مرد ہونے کی آندھی چلتی ہے اور خاص کر ایسے موقعوں پر جب اسے احساس ہو کہ اس کی مردانگی کو کسی حد تک کچل دیا گیا ہو اور یہ بھی احساس ہو کہ کچلنے کی کوشش اس ذات کے ذریعہ کی گئی ہو، جس سے کبھی اس قسم کی کوئی توقع اس نے نہیں رکھی ہو۔ وہ اب بھی کھڑکی سے باہر دیکھ رہا تھا۔ جیسے کسی فیصلے پر پہنچنے کا خواہشمند ہو۔ اچانک وہ پلٹا اور میری طرف دیکھا۔

'تم نہیں جانتی، زندگی کتنی مشکل ہے۔'

'میں اسے آسان بنانا بھی جانتی ہوں۔'

'اوہ' اس نے زیرلب مسکرانے کی کوشش کی— 'نہیں تم نہیں جانتی۔ تم سب کچھ کھیل سمجھ رہی ہو۔ یہ زندگی اتنی آسان بھی نہیں ہے۔ راستے میں بہت کانٹے ہیں۔'

'مجھے کانٹوں سے کھیلنا پسند ہے۔ میں دوبارہ مسکرائی۔ بچپن میں بھی یہی کرتی تھی۔'

'تو تم نے فیصلہ کرلیا ہے۔' اس بار اس کی آواز کمزور تھی...... آزاد ہونا ایک احساس ہے۔ فیصلہ نہیں۔'

'اوہ......' وہ بہت آہستہ سے بولا، مگر اس بار وہ ٹھہرا نہیں۔ دیکھتے دیکھتے وہ کمرے سے باہر نکل گیا تھا۔

اب میں کمرے میں اکیلی تھی اور یہ لمحہ ایسا تھا جب میں گنگنا سکتی تھی۔ رقص کرسکتی تھی۔ باہر دھوپ چھٹکی ہوئی تھی۔ کھڑکی سے کچھ فاصلے پر سرو قد درختوں کی قطار تھی۔ ان درختوں پر بہار آئی ہوئی تھی۔ اس سے قبل کبھی میں نے قدرت کے لازوال حسن کو اس طرح آنکھوں میں بسا کر نہیں دیکھا تھا، قدرت آزاد ہے اور میں بھی۔ میں یہ سوچنے سے قاصر تھی کہ انسان اپنے لیے ایک گھٹن بھرا پنجرہ لے کر کیوں آتا ہے؟ یہ کیسی آزادی ہے کہ ساری زندگی ایک چہار دیواری کے اندر ایک ایسے آدمی کے ساتھ بسر کی جائے جس سے نہ خیال ملتے ہوں، نہ معیار اور وہ ہر وقت ساتھ میں پنجرہ لیے گھومتا رہتا ہو...... زیادہ اڑان مت بھرو۔ پنجرے میں آجاؤ۔ یہ ٹی وی دیکھنے کا وقت نہیں ہے۔ میرے دوست آنے والے ہیں۔ چلو پنجرہ سنبھالو۔ تم جاب کروگی؟ نہیں تم پنجرے میں زیادہ اچھی معلوم ہوتی ہو۔

میں نے کئی بار پنجرہ توڑنا چاہا، لیکن پھر خود کو سمجھایا۔ ابھی کھیل دیکھتے ہیں۔ کبھی کبھی تماشہ بھی دیکھنا چاہئے اور سب سے زیادہ مزہ تو اس بات میں ہے کہ خود کو خاموشی سے تماشہ بنالو۔ پھر سامنے والا اپنی اصلیت، اپنی اوقات میں آجاتا ہے۔ مجھے اس بات کا احساس ہے کہ پتھر سے زیادہ سخت الفاظ ہوتے ہیں اور مرد، عورت کے لیے ساری زندگی پتھر اکٹھا کرتا رہتا ہے اور پھر ایک ایک کرکے صحیح وقت کے انتظار میں یہ پتھر اس کی طرف اچھالتا جاتا ہے، مگر اس کی بدقسمتی تھی کہ میں ان عورتوں سے الگ تھی۔ وہ عورتیں جو باہر کی میز پر، یا فیس بک پر باتیں کرتے ہوئے عالمانہ انداز اختیار کرجاتی تھیں، مگر گھر کی سطح پر ان کے اندر ایک ڈرپوک عورت موجود ہوتی تھی۔ ایک ایسی عورت، جس کے سامنے مرد پنجرہ لیے کھڑا رہتا تھا۔ میں سوچتی تھی کیا یہ خودکشی نہیں ہے؟ اپنے لیے ایک ایسے قید خانے کا انتخاب کرنا، جہاں مہذب دنیا سے کوئی روشنی نہیں آتی۔ مرد اکیلا اس روشنی کا حقدار ہوتا ہے اور وہ بڑی محنت سے عورت کو اس قید

خانے کا قیدی بنالیتا ہے اور سمجھدار تعلیم یافتہ عورتیں بھی ہنستے ہنستے اس خودکشی نما موت کو گلے لگا لیتی ہیں۔ فیس بک کی بڑی سی دنیا میں صالحہ ملی تھی۔ انقلابی نظمیں لکھنے والی، لیکن وہ اپنے پروفائل میں اپنی تصویر لگاتے ہوئے خوف محسوس کرتی تھی۔ میں نے پوچھا تو سہم گئی۔

'تصویر نہیں دے سکتی۔'

'لیکن کیوں؟'

'میری شادی ہو رہی ہے۔'

'مبارکباد، تم نے لڑکے کو دیکھا ہوگا؟'

'نہیں۔'

'کیوں۔'

صالحہ نے بتایا...... یہ زندگی اس کی ہے ہی نہیں۔ دوسروں کے اشاروں پر چلنا ہی ہماری تقدیر میں لکھا ہوتا ہے۔

'پھر جو تم لکھتی ہو اس سے فائدہ۔؟'

'فائدہ ہے نا...... کچھ دیر کے لیے اس عورت کو زندہ کر لینا، جس کے بارے میں جانتی ہوں کہ کچھ دنوں بعد ہی اس عورت کی ہر خواہش کا گلا گھونٹ دیا جائے گا۔ وہ زندہ رہے گی مگر موت سے بدتر۔'

پہلی بار صالحہ پر غصہ آیا تھا۔ یہ کیسی زندگی ہے۔ کیا میں ایسی زندگی کے بارے میں سوچ سکتی ہوں۔ کیا دنیا کے تمام مرد ایک جیسے ہوتے ہیں۔ فیس بک پر ہی پاکستان کی ملیحہ ٹکرائی تھی۔ کہانیاں لکھتی تھی۔ ایک شوہر تھا۔ دو پیارے بچے، مگر اپنی بغاوت کی آنچ میں اندر اندر ہی سلگتی یا مرتی تھی، نہ صالحہ کے پاس زندہ رہنے کا کوئی جواز تھا اور نہ ملیحہ کے پاس۔ جو بھی ملتا وہ ایک نقلی چہرے یا ماسک کے ساتھ۔ مجھے یہ ماسک قبول نہیں تھا۔ میں اس نقلی چہرے کے ساتھ ایک پوری زندگی نہیں گزار سکتی تھی اور اس لیے میں آزادی کی بات کرتی تھی، ملیحہ اور صالحہ کو حیرت ہوتی تھی۔ آزادی ہم عورتوں کے پاس ہے کہاں؟

میں ان باتوں کو نہیں مانتی تھی۔ مجھے حبس بھرے ماحول یا گھٹن بھری زندگی کا غلام بننا منظور نہیں تھا۔ میں جھوٹی اور نقلی مسکراہٹ کے ساتھ زندگی گزارنے کا کوئی تصور بھی نہیں کر سکتی تھی۔ اس لیے شادی کے بعد بھی میں نے اپنی آزادی میں کوئی کمی نہیں آنے دی اور میں جانتی تھی، میری آزادی کی روشنی کے درمیان وہ پہلے دن سے سلگتا رہا ہے۔ یہ شادی لو میرج نہیں تھی۔ اسے یوں بھی کہا جاسکتا ہے کہ شادی سے پہلے تک کوئی ایسا لڑکا سامنے نہیں آیا جو میرے مزاج و معیار کے مطابق ہو۔ اس لیے جب شادی کی باتیں زیادہ طول کھینچنے لگیں تو میں نے اپنا فیصلہ سنا دیا۔

'جہاں مرضی۔ کردیجئے۔ وہ میرے ساتھ جی سکے گا تو یہ اس کی خوش نصیبی ہوگی۔'

اماں میرے ان تیوروں سے واقف تھیں۔ وہ اکثر میری باتوں پر خاموش رہنا ہی پسند کرتی تھیں۔ ویسے بھی وہ خاموش طبیعت واقع ہوئی تھیں۔ میں ایک این جی او سے وابستہ تھی اور کاشف بینک میں اعلیٰ عہدے پر تھے۔ کچھ ہی دن میں وہ میرے مزاج سے واقف ہوگئے۔ جبکہ شروعات میں انہوں نے دباؤ بنانے کی کوشش کی تھی لیکن جلد ہی کاشف کو اس بات کا احساس ہوگیا، یہ لڑکی ٹیڑھی کھیر ہے اور بہتر یہ ہے کہ بھڑ کے چھتے میں ہاتھ نہ ڈالا جائے۔

مجھے اس بات کا احساس تھا کہ بینک کے حساب کتاب میں الجھے اس شخص کے ساتھ میری شادی نہیں سمجھوتہ ہوا ہے۔ وہ بہار کے رہنے والے تھے، لیکن نوکری دلی کی تھی۔ ساؤتھ ایکس میں ایک چھوٹا سا فلیٹ تھا۔ مجھے اکثر اس بات کا احساس ہوتا تھا کہ دو غلط لوگوں کو ایک گھر میں اکٹھا کر دیا گیا ہے اور ان دو لوگوں کے درمیان مزاج و معیار کی ایک دیوار حائل ہے، اس دیوار کو توڑا نہیں جاسکتا۔ میں مزاجاً صفائی پسند تھی اور اس کی طبیعت میں بکھراؤ۔ اسے کافی پسند تھی۔ مجھے چائے اچھی لگتی تھی۔ وہ پیور ویجیٹیرین تھا۔ مجھے نان ویج کے بغیر کھانا اچھا نہیں لگتا تھا۔ وہ دقیانوسی واقع ہوا تھا اور مجھے جبراً برداشت کر رہا تھا۔ میں آزاد تھی اور اپنی آزادی کے لیے کبھی ہارمونیم تو کبھی کتابوں کا سہارا لیتی۔ اس کے مزاج میں رومانیت یا موسیقی کو قطعی دخل نہیں تھا۔ میں اکثر سوچتی تھی۔ میں ساتھ کیوں ہوں۔ پھر خیال آتا کہ چلو...... میں آزاد تو ہوں۔ میں دوسروں کی طرح مرد ذات کی بندشوں اور غلامی کی فضا میں سانس نہیں لے سکتی اور یہ بات وہ بھی محسوس کر رہا تھا۔ بلکہ پہلے دن سے ہی محسوس کرنے لگا تھا— میں اچانک محسوس کرنے لگی تھی کہ اس میں تبدیلی آرہی ہے۔ جیسے اس دن ہارمونیم کی آواز پر وہ سہما سا کمرے میں آیا اور اس نے بتایا۔

'تم واقعی اچھا بجا لیتی ہو۔'

ایک دن اس نے میرے بنائے ہوئے نان ویج کی بھی تعریف کی اور اس نے بتایا......

'کالج کے دنوں میں ایک بار اس نے قربانی ہوتے ہوئے دیکھ لی تھی اور اس کے بعد اس نے نان ویج سے توبہ کر لی۔'

ایک بار تو حد ہوگئی۔ جب اس نے سرہانے سے میری کتاب اٹھالی۔ کیا پڑھ رہی ہو...... یہ قرۃ العین حیدر کا ناول چاندنی بیگم تھا۔ اس نے دو ایک صفحہ کی ورق گردانی کی۔ پھر آہستہ سے بولا۔

'میں نے نام سنا ہے۔ شاید انہیں گیان پیٹھ بھی ملا ہے۔'

میں پوری طاقت سے مسکرائی تھی۔ پھر میں نے اس کی طرف دیکھا......

'کاشف۔ کیا تم بدل رہے ہو؟'

'نہیں۔'

'کیا تمہاری زندگی میں کوئی لڑکی آگئی ہے......'

'نہیں۔'

'آگئی ہے تو کوئی مصیبت نہیں ہے۔ انجوائے کرو، بلکہ میں تو کہتی ہوں......'

میری آنکھیں اس کے چہرے پر جمی ہوئی تھیں۔ وہ کھڑکی کی طرف دیکھ رہا تھا۔

'مان لو......کوئی آجاتا ہے......تو؟'

'تو کیا......تمہاری زندگی ہے۔ اپنی زندگی پر اتنا بوجھ کیوں رکھتے ہو؟'

'تم ایکسپٹ کرلوگی؟'

'کسی کو یہ سوچ کر چاہو گے کہ میں ایکسپٹ کروں گی یا نہیں؟'

وہ دوسری طرف دیکھ رہا تھا۔ پھر وہ آہستہ سے بولا...... 'نہیں کوئی نہیں ہے......' مگر میں اسے منتشر دیکھ رہی تھی۔ جیسے اس نے ہارمونیم تھام لیا......موسیقی کی بھدی تان گونجی تو اس نے ہارمونیم کنارے رکھ دیا...... پھر تکیہ پر سر رکھ دیا۔

'کبھی کبھی کچھ زیادہ طلب ہوتی ہے......'

'سیکس کی؟'

'ہاں۔'

مجھے اس پر رحم آرہا تھا۔ 'یہ طلب تو فطری ہے۔'

وہ چھت کی طرف دیکھ رہا تھا۔ طلب بہت زیادہ بڑھ گئی ہے۔ مجھے ہر جگہ عورت نظر آتی ہے...... جیسے یہ کتاب...... چاندنی بیگم...... اور وہ ہارمونیم۔ ایک لمحہ کے لیے لگا کہ وہ ہارمونیم نہیں عورت ہے......عورت کا بدن......'

حقیقت یہ ہے کہ پہلی بار مجھے اس پر رحم آیا تھا۔ وہ مجھے کسی معصوم بلی کی طرح نظر آرہا تھا۔ جو طلب نہیں، کسی شہنشاہ کے سامنے ایک معمولی سی فریاد لے کر کھڑا ہو...... نظر جھکائے، مگر میرا دل کہہ رہا تھا کہ یہ دبو کسی لڑکی کے پیار میں الجھ گیا ہے اور ممکن ہے اقرار کے لیے ایک شوہر ہونے کا احساس اس کے وجود پر حاوی ہو۔ یا ہو سکتا ہے، اس کے اندر ہمت کی کمی ہو، لیکن سچ یہ تھا کہ کاشف میں تبدیلی آرہی تھی اور یہ طلب اچانک اس رات ایک دھماکہ کر گئی تھی۔ جب ہلتے ہوئے بستر کے ساتھ میں نے اچانک لائٹ آن کردی تھی۔ میں نے اسے گھبراتے ہوئے دیکھا۔ وہ پائجامہ سمیٹ رہا تھا۔ میں زور سے چیخی۔

'تم بھیگے ہوئے ہو......'

اس میں نظر ملانے کی ہمت نہیں تھی۔

'تم بھیگے ہوئے ہو......اور سچ یہ ہے کہ یہ میں نہیں تھی۔'

'ہاں۔' وہ ابھی بھی چھت کی طرف دیکھ رہا تھا۔ ایک ایسے چور کی طرح، جس کی چوری اچانک پکڑی گئی ہو......

'تو یہ ہے تمہاری طلب؟'

'وہ خاموش تھا۔'

'کیا تم جرم محسوس کر رہے ہو؟'

'پتہ نہیں۔'

'نہیں معلوم کرو۔ اگر جرم محسوس کر رہے ہو تو کیوں؟ کوئی کام جرم کے ساتھ نہیں کرنا چاہئے۔'

اس بار اس نے وحشت بھری نظروں کے ساتھ میری طرف دیکھا میری آنکھیں اس پر جمی ہوئی تھیں۔ مردوں کے قانون میں یہ کیسے جائز ہے کہ کسی کے ساتھ بھی—؟ اس کی اجازت کے بغیر بھی—؟ مان لو۔ یہ وہی لڑکی ہے، جس سے تم ملتے ہو۔ اگر تم اس کو پروپوز کرتے تو کیا وہ تمہاری بات مان لیتی......؟'

'نہیں۔' وہ آہستہ سے بولا...... 'پتہ نہیں۔'

'تم لوگ کتنی آسانی سے یہ جرم کرلیتے ہو۔ اور کرتے چلے جاتے ہو۔ یہ محض بھیگنا نہیں ہے۔ ایک ان دیکھے تصور کا بلاتکار ہے۔'

میں دیر تک بولتی رہی۔ اس درمیان اتنا ہوا۔ وہ خاموشی سے اٹھا اور اٹھ کر باتھ روم کا دروازہ بند کرلیا۔ میں نے دروازہ بند ہونے کی آواز سنی۔ اس وقت دماغ میں آندھی چل رہی تھی۔ میں جانتی تھی کہ کسی بھی مرد کے لیے یہ ایک معمولی سی بات تھی۔ پان کھایا، پیک تھوک دی۔ اس واقعہ میں کچھ بھی نیا نہیں تھا، لیکن اس کے باوجود یہ واقعہ مجھے ہضم نہیں ہو رہا تھا۔ ایسا نہیں ہے کہ میں تیز رفتار دنیا کے جغرافیہ اور ترقی سے واقف نہیں تھی۔ یہاں کیا نہیں ہوتا، لیکن کاشف ایک ایسا مرد تھا، جس کے ساتھ میں ساؤتھ ایکس کے اس فلیٹ میں رہ رہی تھی۔ یہ لیو ان ریلیشن شپ نہیں تھا۔ باقاعدہ شادی ہوئی تھی۔ یہ شادی سمجھوتہ سہی، مگر اس رات، اس کے بھیگنے تک کے عمل میں ایک عورت اس کے ساتھ تھی اور وہ ہر رنگ میں اس

کے ساتھ تھی۔

ایک لمحہ کے لیے احساس ہوا، میں قطرہ نما کمرے میں ہوں۔ چاروں طرف قطرے ہی قطرے...... پانی کی بوندیں...... ان پانی کی بوندوں کے درمیان میں ہوں...... قطروں سے ایک عجیب سی آواز پیدا ہورہی ہے۔ ان آوازوں میں عجیب سی سسکیاں ہیں اور یہ قطرے ٹھہرے ہوئے نہیں ہیں۔ یہ متواتر ہل رہے ہیں...... ان قطروں نے چاروں طرف سے مجھے گھیر لیا ہے...... میں تیز بدبو محسوس کررہی ہوں......

میں کانوں پر ہاتھ رکھ کر تیز آواز میں چیختی ہوں...... آنکھیں کھل گئی ہیں...... سامنے والی دیوار میں کائی جم گئی ہے۔ کچھ دھبے سے ابھرے ہیں۔ اندر سے آواز آتی ہے...... تم پاگل ہوگئی ہو۔ کیا انسانی نفسیات کی تاریخ میں یہ پہلی بار ہے، جو کاشف نے کیا ہے— تم اس دنیا میں ہو، جہاں مردعورتوں میں ناجائز رشتوں کی ایک لمبی تاریخ رہی ہے۔ اور آج کے گھٹن آلودہ معاشرے میں ایسے رشتے مسلسل ایک نئی تاریخ بنا رہے ہیں اور پھر زمانہ تو اس سے بھی برا ہے۔ مرد مردوں سے اور عورت عورت سے قریب ہوتی جارہی ہے اور کاشف نے کیا ہی کیا ہے؟

میں اتنی خوفزدہ کیوں ہوں...... اتنی پاگل کیوں ہوگئی ہوں...... میں تو آزادی کی بات کرتی تھی۔ کیا میں اس کی آزادی پر پہرہ بٹھا رہی ہوں۔؟

ایک لق ودق صحرا ہے میں بھاگ رہی ہوں...... مجھے اس صحرا میں نہیں رہنا...... نہیں جینا مجھے۔ پر شور ہوا کی موسیقی گونج رہی ہے۔ صحرا سائیں سائیں کررہا ہے۔ میں حواس باختہ بھاگ رہی ہوں...... مگر میں کس سے بھاگ رہی ہوں۔ خود سے—؟ انسانی نفسیات سے—؟ یا پھر اس الجھے الجھے رشتہ سے—؟ جس کی ایک کڑی میں ہوں۔

دھوپ چھجے تک آگئی ہے...... وہ دیوار کا سہارا لیے کھڑا ہے۔ میری آنکھیں خلا میں دیکھ رہی ہیں......

کیا یہ قدرتی ہے...... نیچرل ہے......؟

ہاں......

کیا تم ایسا پہلے بھی کرتے رہے ہو......؟

ہاں......

کسی ایک کے ساتھ......؟ ہوا کے جھونکے اچانک سرد ہوگئے ہیں۔ میں دانتوں کو بجتے ہوئے محسوس کررہی ہوں......

نہیں۔

یعنی بہت سی عورتیں......

ہاں۔ وہ اچانک میری طرف مڑا۔ اس کا چہرہ سرخ ہے۔ جبڑے بھنچ گئے ہیں۔ وہ زور سے چیخا...... بند کرو بکواس...... اسے جملے نہیں مل رہے ہیں...... یہ کوئی پہلی بار نہیں ہے...... میں کوئی پہلا مرد نہیں ہوں......'

'لیکن یہ مرد میرے ساتھ رہتا ہے اور اپنی گھٹن میں غیر عورتوں کو شامل کرتا رہتا ہے۔ کیا تم اس کے بعد بھی چاہتے ہو کہ میں تمہارے ساتھ رہوں......؟ کیا یہ سچ مچ قدرتی ہے......؟ یا قدرتی ہونے کا فسانہ بنا لیا ہے تم لوگوں نے—؟ اپنی تسلی کرلی ہے،'

'تمہاری مرضی، تمہیں جو سوچنا ہے سوچو...... ہم شاید ایک بیکار کی بات کو طول دے رہے ہیں۔ تم شاید میرے ساتھ رہنا نہیں چاہتی۔'

چھجے سے دھوپ غائب ہے۔ اب خالی چھت رہ گئی ہے...... دھوپ کی جگہ بادلوں نے لے لی ہے...... اب بادل بھی نہیں ہیں...... وہی بہت سے قطرے۔ قطرے در قطرے...... میں ایک بار پھر ان قطروں کی گرفت میں ہوں۔ میرا جسم ہلکا لگ رہا ہے...... سیڑھیوں سے نیچے اتری تو اچانک چونک گئی۔ کوئی ہارمونیم بجا رہا تھا، لیکن ہارمونیم سے بے سری موسیقی کی طرح خوبصورت نغمے گونجتے ہوئے محسوس ہوئے۔

میں کمرے میں آئی تو اچانک چونک گئی۔ وہ بستر پر تکیے کے سہارے لیٹا ہاتھوں میں ہارمونیم لیے تھا۔ چاندنی بیگم کی کتاب اس کے پاس پڑی تھی، اور وہ آنکھیں بند کیے ہارمونیم بجانے میں مصروف تھا......

Tabassum Fatima ○○
D-304 Taj Enclave Geeta colony, Delhi - 110031
Mb. 9958583881,9873757095

فرہنگ آصفیہ سے

عرق عرق ہونا: جب آدمی کی طبیعت غم و ہم یا خجلت و انفعال سے گھٹتی ہے اور دل پر زور پڑتا ہے تو اس کی توجہ سانس لینے کی طرف کم ہو جاتی ہے اور اس انقباض سے جو بخارات قلب جسم کے اندر جمع ہوتے ہیں وہ مسامات کی راہ سے نکلنا چاہتے ہیں، جہاں پہنچ کر ہوائے سرد کی آمیزش سے پانی بن جاتے ہیں۔ چوں کہ اکثر بخارات اوپر کی طرف صعود کیا کرتے ہیں اس سبب اول چہرہ پر پسینہ آیا کرتا ہے۔ ظاہر ہے کہ آدمی کو شرمندگی سے بہت بڑا صدمہ پہنچتا ہے اور اس کی وجہ سے وہ اپنی طبیعت پر زور ڈال کر بکثرت بخارات پیدا کرنے کا باعث ہوتا ہے۔ اس لئے شعرا نے عرق عرق یا آب آب ہونے سے علامت انفعال پر اطلاق کرلیا ہے۔ آگے خدا جانے۔

طلاق

غزالہ قمر اعجاز

احمر کا رویہ ماریہ کے لیے دن بہ دن خراب ہوتا جا رہا تھا، چھوٹی چھوٹی باتوں پر وہ اُس سے جھگڑتا.... اور اب اکثر ہاتھ بھی اُٹھا دیتا، ایسا کیوں ہو رہا ہے....؟ میرے لیے سمجھ پانا مشکل تھا۔ اب تو یہ روز کا معمول بنتا جا رہا تھا۔ احمر کا غصہ جب جب باہر آتا.... اُسے روکنے کی میری تمام کوششیں بے کار ہو جاتیں.... اس وقت نہ تو اُسے اپنی پسند کے کھانے سے دلچسپی ہوتی.... نہ گاڑیوں کی ریس سے اور نہ میری باتوں سے.... مجھے لگتا جیسے Super Man دیکھتے دیکھتے خود اس کے اندر بھی وہی قوت سرایت کر گئی ہے جو ایک غصے کی شکل میں باہر نکل رہی ہے، اُس دن اُس نے ماریہ کی چوٹی پکڑ کر اُسے بستر کے نیچے گرا دیا۔ وہ ممی ممی چلاتے ہوئے رونے لگی اور مجھے دیکھتے ہی سہم کر مجھ سے لپٹ گئی... دو تھپڑ لگانے کے بعد بھی وہ اُسے گھور رہا تھا۔ ”بہن ہے وہ تمھاری۔ چوٹ لگ جاتی تو...“

روتے روتے وہ سو گئی تو میں نے احمر کو سمجھانا چاہا مگر میری باتوں کا اُس پر کوئی اثر ہی نہیں ہو رہا تھا۔

”تم سے چھوٹی ہے اور کتنی کمزور بھی... تمھیں تو اس کا خیال رکھنا چاہیے.... اس کو پیار کرنا چاہیے اور....“

”مجھے نہیں کرنا اُسے پیار... ماروں گا اُسے۔“ اُس نے ہاتھ کا مُکا ہوا میں لہرایا۔ لائٹ بجھا کر میں نے اُسے سونے کی تنبیہ کی اور خود بھی بستر پر آ گئی، مگر پچھلے کئی دنوں کی طرح آج بھی آنکھوں سے نیند غائب تھی۔ پتہ نہیں کتنی بار میں بستر سے اُٹھ چکی تھی۔ کبھی پانی پینے تو کبھی دروازے کا تالا دیکھنے کے بہانے... میں ایک بار پھر اُٹھی... کیا کروں.... دروازہ کچھ دیر پہلے ہی دیکھا تھا، پانی بھی کئی بار پی چکی ہوں۔ اب.... میں نے کھڑکی کھولی۔ اسٹریٹ لائٹ ماحول میں بسے اندھیرے کو کم کرنے کی ناکام کوشش میں لگی تھی۔ میں نے چاروں طرف نظر دوڑائی۔ تیسرے پول کا بلب خراب تھا یا پھر لائن ٹھیک نہیں تھی۔ وہ بار بار جل بجھ رہا تھا۔ میری نگاہیں اُسی پر ٹک گئیں۔ اس بار وہ دیر تک جلتا رہا۔ مجھے لگا جیسے اُس نے اپنی خامی پر قابو پا لیا ہے.... میں مسکرائی.... مگر دوسرے ہی لمحے وہ بجھ گیا... پھر جلا۔ جلنے بجھنے کا وقفہ دھیرے دھیرے کم ہوتا رہا.... پھر ایک تھرتھراہٹ سی ہوئی.... اور وہ بجھ گیا۔ میں انتظار کرتی رہی.... مگر وہ نہیں جلا.... دل پتہ نہیں کیوں اُداس ہو گیا.... میری نگاہیں اِدھر اُدھر بھٹکنے کے بعد اُسی بلب پر آ کر ٹک جاتیں۔ شاید وہ پھر سے روشن ہو جائے۔ مجھے لگا جیسے میرے دل کی دھڑکن اُس بلب کے ذریعے کنٹرول ہو رہی تھی۔ کیا واقعی ایسا ہے۔ میں نے دایاں ہاتھ بائیں سینے کی طرف رکھا، مگر میں کچھ اندازہ نہیں لگا سکی۔ یہ میرا وہم ہے بس.... اور کچھ نہیں۔ میں نے کھڑکی بند کی اور بستر پر آ گئی۔ شاید وہ منظر میرے لیے ایک دلچسپ کھیل کی طرح تھا، جو دھیرے دھیرے میرے دماغ کو کنٹرول کر رہا تھا۔ بس.... میں نے خود کو تسلی دی۔ پتہ نہیں زندگی اپنی کوکھ میں اتنے کرشماتی لمحات کیوں بھر کر لاتی ہے کہ ذہن اُسے قبول کرنے میں برسوں لگا دیتا ہے.... مگر پھر بھی کسی نقطے پر پہنچ کر ٹھہرنے کے لیے راضی نہیں ہوتا۔ ملٹی اسٹوری بلڈنگ کے آٹھویں فلور پر جھولتی زندگی اس بلب کی طرح تھرتھراتی رہتی ہے۔ بالکونی میں کھڑے ہو کر باہر دیکھتے ہوئے خلا میں ٹھہرنے کا گمان ہوتا ہے۔ زمین پہنچ سے دور اور آسمان ہمیشہ کی طرح اتنا ہی اونچا.... شاید اسی لیے کچھ لوگوں کو اونچائی سے خوف آتا ہے۔ میں نے کروٹ بدلی۔ ماریہ بے خبر ہو رہی تھی۔ مجھے اُس پر بے حد پیار آیا... میری معصوم سی پانچ سال کی بچی.... احمر ہر وقت اُسے تنگ کرتا ہے.... آنسوؤں کی لکیر اس کے گالوں پر جمی تھی اور بال الجھے ہوئے تھے۔ میں نے انگلیوں کی پوروں سے دھیرے دھیرے اسے سلجھایا۔ گالوں کو رگڑ کر صاف کیا۔ بیڈ سے تھوڑے سے فاصلے پر بچھی چوکی پر احمر پیٹ کے بل سویا ہے۔ اس کا ہاتھ اور پیر چوکی سے نیچے لٹک رہا ہے۔ تکیہ بھی آدھا بستر کے باہر ہے۔ مجھے غصہ آیا۔ میں اٹھی۔ ہاتھ پکڑ کر کھینچتے ہوئے میں نے اُسے سیدھا کیا۔ تکیہ سر کے نیچے رکھا۔ اس کا چہرہ میرے سامنے آ گیا۔ بکھرے بالوں سے ڈھکا ہوا۔ میں نے اس کے بال ٹھیک کیے.... چہرے پر ہاتھ پھیرا شروع سے ہی وہ ضدی اور خودسر ہے۔ شاید اپنے باپ کی طرح... باپ.... میری سوچ اور زبان دونوں ہی تلخ ہو گئی۔ اگر اس کا غصہ اور ضد ایسے ہی بڑھتا رہا.... تو.... اگر یہ عارف کی طرح.... نہیں۔ میں نے اپنے سر کو جھٹکا۔ اس کے لیے اپنے رویے میں نرمی پیدا کی۔ اس کی پسند اور خواہش کا خیال رکھتے ہوئے سامان خریدتی۔ اُس سے باتیں کرتی اور پھر پیار سے اُسے سمجھاتی۔

”ماریہ تمھاری چھوٹی سی پیاری سی بہن ہے۔ تم سے پیار کرتی ہے۔ تمھیں بھی اُس سے پیار کرنا چاہیے۔“

”مجھے نہیں کرنا اُس سے پیار.... بلکہ مجھے تو اس کے ساتھ رہنا ہی نہیں ہے۔ آپ اُسے گھر سے نکال دیں۔“

”کیا۔“ میں سکتے میں آ گئی۔ اس کے بغاوتی لہجے سے مجھے خوف آیا۔

سات سال کی عمر میں اس کے یہ تیور.... میرا پریشان ہونا لازمی تھا۔ پہلے تو وہ ایسا نہیں تھا ماریہ سے پیار کرتا۔ اُسے اپنے کھلونے دیتا۔ اس کے ساتھ کھیلتا۔ اس کی انگلی پکڑ کر اسکول بس سے اُترتا اور اکثر اس کی پانی کی بوتل تھامے ہوئے گھر میں داخل ہوتا.... میں ان کی چھوٹی چھوٹی باتوں پر مسکراتے ہوئے دونوں کو کھانا کھلاتی.... ہوم ورک کرواتی اور فرصت ملنے پر باہر بھی لے جاتی، مگر اب وہ سب جیسے خواب سا ہوگیا۔ میری زندگی کی ڈور کبھی سلجھی ہی نہیں۔ عارف زیادہ تر وقت گھر سے باہر گزارتے۔ کھانے کے وقفے کے دوران اسکول کی ساتھی استاد اپنے اپنے تجربات بیان کرتیں تو محسوس ہوتا جیسے یہ تو میری ہی کہانی دہرا رہی ہیں۔ کیسے.... مگر یہ حقیقت تھی۔ مختلف رنگ اور اسٹائل کے کپڑے.... کھان پان.... رکھ رکھاؤ.... بالوں کو بنانے کا الگ الگ انداز.... بظاہر ایک دوسرے سے بالکل جدا نظر آنے والی ان خواتین کی گھریلو زندگی میں اتنی یکسانیت تھی کہ میں حیران رہ جاتی۔ وہی جدوجہد.... وہی کشمکش.... وہی فکر اور وہی آزمائش.... اور ان سب سے نپٹنے کا تقریباً ایک جیسا طریقہ۔

''چلو بھئی اُٹھیں.... اب کام میں لگنا ہے۔ پہلے یہاں کی نوکری.... پھر گھر کی نوکرانی۔'' مسز سنہا کا یہ جملہ بھی بے حد پرانا تھا اور اس کا مطلب بھی۔ یعنی بات ختم اور کام شروع۔

''آج تم کچھ زیادہ ہی خاموش اور اُداس ہو۔''

اُٹھتے ہوئے مسز سہنا نے میرے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کچھ اس انداز سے پوچھا کہ میں بے اختیار رو پڑی۔ حیران ہوتے ہوئے سب میری طرف متوجہ ہوگئیں۔

''کیا ہوا.... سب ٹھیک ہے۔''

کسی نے کچھ کہا ہے.... کوئی لڑائی جھگڑا''

''کوئی بیمار ہے۔''

ہر سوال پر نا میں سر ہلاتے ہوئے میرے آنسو اور تیزی سے بہنے لگے۔

''عارف اور میں.... ہم دونوں الگ ہوگئے۔''

مزید سوال جواب کی ہمت میرے اندر نہیں تھی۔ میں نے پرس اُٹھایا اور سب کو حیران چھوڑ کر واپس آگئی۔ چھٹی کے بعد وہ سب میرے گھر آئیں.... اور پھر آتی رہیں۔ ہفتہ بھر کے لیے میں نے چھٹی لے لی۔ مگر جب بھی اکیلی ہوتی وہ جملے میرے کانوں میں گونجتے رہتے۔

ہماری شادی عارف کے گھر والوں کی مرضی کا نتیجہ تھی یہ بات مجھے عارف نے ہی بتائی تھی۔ شادی کے بعد سب کچھ ٹھیک ہوجائے گا یہ بھروسہ بھی گھر والوں کا ہی تھا۔ مگر زندگی بھروسے کے سہارے کچھ وقت تو گزر جاتی ہے.... مگر جب تک رشتوں میں یقین قائم نہ ہو تو یہ انتظار بھی جلد ہی ختم ہوجاتا ہے۔ احمر اور ماریہ بھی ہمارے رشتے میں یقین قائم نہیں کر سکے۔ انیسہ اور عارف آفس میں ایک ساتھ کام کرتے تھے۔ جب تک میں ان کے رشتے کی گہرائی کا اندازہ کر پاتی.... ان کی شادی کی خبر مجھ تک پہنچ گئی۔ اس وقت احمر پانچ سال کا تھا اور ماریہ تین سال کی۔ میری زندگی کی اُلجھی ڈور کی گرہ اور مضبوط ہوگئی۔ لبھانے کی کوشش بیکار تھی۔ کئی دنوں کے بعد اس دن عارف گھر آئے.... ہم لوگوں کے درمیان تکرار بڑھتی رہی بچے سو رہے تھے۔ پھر شاید اُٹھ گئے اور سوتے رہنے کی ایکٹنگ کرتے رہے۔ عارف مزید بحث سے بچتے ہوئے جانے کے لیے اُٹھ گئے۔ میری قوت برداشت جواب دے چکی تھی۔ روز روز کی جھک جھک سے میں اوب چکی تھی۔ میں نے ان سے طلاق کا مطالبہ کر دیا۔

''عارف اس دروازے سے اب تم آخری بار جا رہے ہو۔ اب کبھی مت آنا۔'' میں غصّے سے چیخی۔ عارف کچھ لمحے کے لیے رکے۔ میری طرف دیکھا اور وہ الفاظ اپنی زبان سے ادا کرتے ہوئے باہر نکل گئے۔ احمر اور ماریہ کمرے سے نکل کر لاؤنج میں آچکے تھے۔ زمین اپنی جگہ تھی اور آسمان بھی اپنی جگہ.... مگر میرا وجود لڑکھڑا گیا اور میں لرزتے ہوئے قالین پر بیٹھ گئی۔ دونوں سہم کر مجھ سے لپٹ گئے۔ ماریہ روتے روتے سوگئی۔ میں اُسے اُٹھا کر کمرے میں لائی۔ سامنے بنے شوکیس میں عارف کی تصویر تھی۔ احمر نے اُسے اُٹھایا اور زمین پر پٹخ دیا۔ اس کی نظروں میں بسا وہ غصّہ ہر وقت اس کے چہرے پر نظر آتا۔ وہ خفا خفا سا نظر آتا۔ غصّہ کرتا... کتابیں پھاڑ دیتا... اسکول میں بھی لڑائی جھگڑا کرتا.... میں اس کو سمجھاتی... نارمل کرنے کی کوشش کرتی۔ دھیرے دھیرے اس میں تبدیلی بھی نظر آئی... مگر اچانک اس کا رویہ ماریہ کے لیے بالکل تبدیل ہوگیا۔ وہ ہر وقت اس سے لڑتا جھگڑتا.... اور میری غیر موجودگی میں اس پر ہاتھ بھی اُٹھا دیتا۔ اُس دن میں اسکول سے لوٹی تو احمر صوفے پر بیٹھا ویڈیو گیم کھیل رہا تھا۔ ماریہ کمرے میں رو رہی تھی۔ گھر کا کام کاج کرنے والی ستارہ نے دونوں کے جھگڑے کی روداد سنائی۔

''اب بھلا ایسا بھی کیا لڑنا۔ احمر نے ماریہ کو بہت مارا۔ بیچاری روتی رہی سوگئی۔''

''احمر'' میں نے غصّے سے اسے پکارا مگر وہ بے خبر بنا رہا۔

''تم نے پھر ماریہ سے جھگڑا کیا۔ اُسے مارا بھی میں نے سمجھایا تھا نا تم کو کہ اب....''

''مجھے کچھ نہیں سمجھنا.... بس آپ اُسے گھر سے باہر نکال دیجیے۔ مجھے نہیں رہنا اس کے ساتھ۔''

''کیا.... یہ کیسے ہوسکتا ہے۔ وہ کہیں نہیں جائے گی اور تم....''

''وہ نہیں جائے گی تو میں اُسے طلاق دے دوں گا۔''

Hemam کے پوز بناتے ہوئے وہ کمرے کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اس کے بھولے بھالے منہ سے نکلے الفاظ میرے چاروں طرف گردش کر رہے تھے اور میں اپنا سر پکڑ کر بیٹھ گئی۔

●●●

Ghazala Qamar Ajaz

Flat No. 143, Pocket- D, Mayur Vihar, Phase-2, Delhi-110091

عطیہ بی

پیار بھرا تحفہ

آج صبح سے ہی دکان پر لوگوں کا ایک ہجوم اُمڈا ہوا تھا۔ یہ حال نہ صرف ایک دکان کا تھا بلکہ گردو پیش میں واقع ہر دکان پر عید جیسا ماحول دکھائی دیتا تھا۔ نہ جانے آج ایسا کیا ہے جو لوگوں کا سیلاب برپا نظر آتا ہے اور دکان میں چاروں جانب گلوں کی قطار لگی ہوئی تھی۔ رنگ برنگے پھول اپنے حسن و جمال پر اتراتے نظر آتے تھے اور اپنی علاحدہ شناخت رکھتے تھے مگر یہ کیا آج اس خوبصورت محفل کا سردار نہایت حسین گل گلاب کو منتخب کیا گیا۔ آج چاروں سمت گلاب کی ہی بہار ہے۔ جدھر نظر پڑے گلاب ہی گلاب اور ان گلابوں کے بیچ ایک نہایت معصوم گل جسے ابھی ابھی اس دکان کے مالک نے دانش کہہ کر پکارا، وہاں موجود تھا۔ دانش جو بہت ہی معصوم بچہ جو ابھی عمر و تجربہ کے اعتبار سے بہت نازک اور زندگی کی تلخیوں سے بہت دور ان حسین گلوں کی چھاؤں تلے اپنی آنے والی خوشیوں کو ڈھونڈ رہا تھا بول اٹھا۔ جی آیا صاحب...... ابھی آیا...... فرمایئے؟ کہاں تھے؟ صاحب میں تو گلابوں کی ڈنڈیا صاف کر رہا تھا۔ اچھا اچھا! بہت اچھا کیا۔ صاحب آج ایسا کیا ہے جو لوگوں کا ہجوم لگا ہے...... دکان کے مالک نے مسکراتے ہوئے جواب دیا...... دانش آج محبت کرنے والوں کا دن ہے اسی لیے ہر دکان آج اتنی آباد ہے۔ اچھا محبت کرنے والوں کا کوئی دن بھی ہوتا ہے؟ ایسا کیوں؟ محبت دنوں کی محتاج ہے کیا؟ اس بچے کے منہ سے اتنی بڑی بات سن کر دکان دار حیران رہ گیا، مگر اس کی باتوں کا کوئی جواب اس کے پاس نہ تھا۔

اچھا چلو چلو سبھی گلابوں کو اٹھا کر یہاں لے آؤ میں انھیں تراش دیتا ہوں یہ کہتے ہوئے اس نے بات کاٹنے کی ایک ناکام کوشش کی، مگر دانش کی عمر جوان باتوں کو سمجھنے کی اجازت نہ دیتی تھی ان ہی سوالات کے گردو پیش رواں دواں رہی۔ صاحب بتایئے نہ میری بات کا جواب آپ نے نہیں دیا۔ تبھی دکان کے قریب ایک بڑی سی گاڑی آکر کھڑی ہوئی اور اس کے اندر سے ایک نوجوان لڑکا باہر آیا۔ ارے بھیّا یہ دکان آپ کی ہے؟ جی ہاں جی ہاں کہتے ہوئے مالک لمبے قدموں سے اس کی جانب لپکا۔ فرمایئے جناب۔ ذرا ۵۰۰ روپے کا ایک گلدستہ بنا دیجیے اور دیکھیے تازے گلابوں کا استعمال کیجیے گا پیسہ کی فکر نہ کیجیے، مگر گلدستہ خوبصورت ہونا چاہیے۔ جی جناب ابھی بناتا ہوں کہتے ہوئے دکان دار گلدستہ کی تیاری میں لگ گیا۔ آپ تشریف رکھیے گلدستہ ابھی تیار ہوا جاتا ہے۔ بڑے احترام سے ان صاحب کو بٹھایا گیا، مگر دانش کی نگاہیں اس خریدار پر جمی ہوئی تھیں۔ وہ بھی دانش کو بڑی حقیرانہ نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ مانو اس کے تن پر پڑے پھٹے کپڑے اس کے سب سے بڑے دشمن بن بیٹھے ہوں۔

لاؤ دانش ذرا قینچی اٹھا دو اور وہ گلاب بھی...... جی صاحب دیتا ہوں نہیں نہیں ان گلابوں کو اس لڑکے سے مت اٹھواؤ۔ جی آپ نے کچھ فرمایا دکان دار نے تعجب سے پوچھا؟ ان خوبصورت گلابوں کو اس لڑکے سے مت اٹھواؤ دیکھو نہ کتنا گندا لگ رہا ہے۔ اور اس کے کپڑے بھی تو دیکھو توبہ توبہ میں ان گلابوں کو دنیا کے سب سے حسین شخص کو دینا چاہتا ہوں.... دانش کی آنکھیں ڈبڈبا اٹھیں مانو اس کی غریبی اس کے لیے عذاب بن بیٹھی ہو اور دکان دار بھی خاموشی سے ان لوگوں کو دیکھتا رہ گیا۔ جی ٹھیک ہے کہتے ہوئے اس نے گلاب اٹھائے اور گلدستہ پورا کر کے ان کو دیا۔ دانش کے معصوم دل کو اس بات سے بہت ٹھیس لگی اور وہ دوسرا کام کرنے لگا جس سے اس کی آنکھوں میں جو سیلاب امڈا ہے وہ عیاں نہ ہو پائے۔ لیجیے بابو جی آپ کا گلدستہ تیار ہے۔ اچھا اچھا اور خریدار نے اپنی جیب میں ہاتھ ڈال کر بٹوا نکالا ارے بھیّا میرے پاس تو سبھی نوٹ بڑے ہیں تم ایسا کرو ۱۰۰۰ کے پھول کر دو اس وقت اس کے چہرہ پر غرور صاف نظر آتا تھا۔ ٹھیک ہے جناب کر دیتا ہوں اور دکان دار نے ہزار روپے کا گلدستہ بنا

کر اس کے ہمراہ کر دیا۔ دانش جو ابھی تک دنیا کے تلخ تجربوں سے دور تھا۔ یہ سب حرکتیں بڑے غور سے دیکھ رہا تھا۔ جب وہ گاڑی ان کی نظروں سے اوجھل ہوگئی تو دانش نے دکان دار سے پوچھا...... یہ کون تھے صاحب؟ ہوں گے کوئی بگڑے ہوئے نواب خود کو عالم کا بادشاہ سمجھتے ہیں، غریبوں کی توہین کرنے میں ان کو بڑا مزا آتا ہے۔تم پریشان نہ ہو بیٹا ان کی بات کو دل سے مت لگانا۔ یہ سب پیسوں کا پھل ہے اور آج کا دن بھی انھیں کا غلام بن کر رہ گیا ہے۔ یہ کہتے ہوئے دکان دار دوسرا کام کرنے لگا اور دانش اندر چلا گیا، مگر وہ یہ سوچتا رہا کہ اس شخص نے اتنے گلاب کیوں لئے، کیا وہ ہماری طرح دکان کھولے گا یا پھر کچھ اور؟ آج ایسا کون سا دن ہے جو لوگ اپنا اتنا پیسہ پھول خریدنے پر لگا رہے ہیں۔ پورا دن سبھی دکانوں پر ایسی ہی دھوم دھام رہی، مگر پورے دن کی گہما گہمی کے بیچ دانش اتنا تو سمجھ گیا کہ آپ جس سے سب سے زیادہ محبت کرتے ہیں اس کو پھول پیش کرتے ہیں اور آج تو دکان دار کے گلوں کی خوب فروخت بھی ہوئی...... شام ہوتے ہی دانش نے کہا صاحب اب کیا میں گھر جا سکتا ہوں امی انتظار کر رہی ہوں گی۔ ہاں ہاں کیوں نہیں میں بھی تم سے یہی کہنے والا تھا جاؤ گھر جاؤ مگر یہ کیا دانش واپس دکان کے اندر چلا گیا۔

ارے دانش کیا بات ہے؟ تم اندر کیوں گئے؟

صاحب ابھی آتا ہوں کہہ کر اس نے دکان دار کو روکا اور دن بھر کی گہما گہمی میں گلاب کی جو پتیاں زمین پر گر گئی تھیں ان کو یکجا کر کے لے آیا...... دکان دار نے تعجب سے پوچھا یہ کیا ہے دانش جو کچھ نہیں صاحب اگر آپ کی اجازت ہو تو کیا میں یہ لے سکتا ہوں۔ دکان دار کے چہرے پر مسکراہٹ بکھر گئی۔ ہاں بالکل تم اسے لے جا سکتے ہو مگر تم اس کا کرو گے کیا؟ کسی کے لیے لے جا رہا ہوں صاحب کیا میں لے جاؤں...... ٹھیک ہے۔ دکان دار یہ سمجھ گیا کہ پورا دن گلوں کی فروخت کرنے کے بعد دانش کو آج کے دن کا اندازہ ہو گیا ہے۔ دانش کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہ رہا اور وہ گھر کی جانب بھاگنے لگا۔ رکو دانش آج دن بھر تم نے بہت محنت کی ہے نہ یہ لو ۵۰ روپے کچھ اپنے لیے لے لینا اور دکان دار نے نوٹ نکال کر دانش کے ہمراہ کیا۔ دانش کا چہرہ کھل اٹھا اور وہ گھر کی جانب گامزن ہوا۔ راستے میں ایک دکان سے اس نے مالک کے دیے ہوئے پیسوں سے ایک چاکلیٹ لی اور دوڑتا ہوا گھر پہنچا۔ امی صبا کہاں ہے؟ کیوں کیا ہوا دانش ارے بتایئے نہ کہاں ہے؟ اندر ہے دانش دوڑتا ہوا اندر جا پہنچا اور اندر کھلونوں سے کھیلتی ہوئی صبا کو گلے سے لگا لیا۔ میری پیاری بہن دیکھو میں تمہارے لیے کیا لایا ہوں اور وہ پھولوں کی پنکھڑیاں اور چاکلیٹ اس کی گود میں ڈال دی۔ والدہ یہ دیکھ کر حیران رہ گئی یہ کیا ہے بیٹا؟ امی آج محبت والا دن ہے میں نے دیکھا جو جس سے محبت کرتا ہے اسے گل دیتا ہے میں بھی تو اپنی بہن سے بہت محبت کرتا ہوں اس لیے میں بھی لے آیا یہ پیار بھرا تحفہ۔

●●●

Atiya Bi

32/194, L P Road, Wazir Ganj, Lucknow (U.P)

فرہنگ آصفیہ سے

ابنِ رشید۔ یا رُشد ۔ ع۔ اسم مذکر۔ یہ شخص اسپین کا باشندہ اور ان عربوں کی نسل سے ہے، جنہوں نے مدّتِ دراز تک ملک ہسپانیہ یعنی اندلس پر فتح کا ڈنکا بجایا۔ یہ حکیم مختلف معزز عہدوں پر بھی رہا جس کا اخیر عہدہ چیف جسٹس تھا۔ مراکو میں یہ عہدہ پایا تھا اور وہیں اس حکومت سے کنارہ کر کے خانہ نشیں ہو گیا۔ اس فخرِ اسلام حکیم کو اس کے آزادانہ خیالات کے سبب عوام کالانعام ملحد گمان کرنے لگے تھے زمانۂ حال کی طرح اس وقت میں بھی کفر کا فتویٰ ایسے لوگوں کے حق میں معمولی بات تھی۔ یہ شخص ارسطاطالیس کی تصنیفات کا از حد معتقد تھا اور اس نے معلّم اوّل کی تصانیف کی اس قدر شرحیں لکھیں کہ شارحِ ارسطو مشہور ہو گیا۔ فنّ طب میں خود بھی بہت سی تصنیفات اپنی یادگار چھوڑی ہیں بطلیموس کی۔ مجسطی کا خلاصہ بھی اس شخص نے کیا ہے بلکہ علم ہیئت میں بھی بہت کچھ لکھا گیا ہے۔ اور اخیر کو ۱۲۰۶ء میں خود بھی بمقامِ مراکو عالم بالا کو جا بسایا۔

ابُوظفر ۔ ع۔ اسمِ مذکر۔ ابو الظفر سراج الدین محمد بہادر شاہ ثانی تیموریہ خاندان کے برائے نام اخیر بادشاہ کی کنیت جس نے ۱۸۹۷ء کے مفسدہ پردازوں و باغیوں کی سرپرستی کے قانونی جرم میں ملک بدر ہو کر بمقام رنگون واقع برہما ۱۸۶۲ء مطابق ۔ جمادی الاول ۹ محرم ۱۲۷۹ھ روز سہ شنبہ کو اس دارِ ناپائیدار کی قید ہستی سے نوّے برس ۸ ماہ ۱۰ یوم کی عمر میں نجات پائی۔ چراغ دہلی سنہ جلوس اور بجھا ہے چراغ دہلی سنہ وفات کا مادہ ہے۔ یہ بادشاہ شاعر بھی بہت بڑا تھا۔ چار دیوان اس کی یادگار ہیں۔ مختلف اوقات میں مختلف استادوں سے اصلاح لی۔ اخیر میں ابراہیم ذوق کا شاگرد ہوا۔

کہانی

چشمہ فاروقی

آنکھیں

اُف یہ آنکھیں زیب نے انگریزی میگزین میز پر پٹکتے ہوئے یہ فقرہ ادا کیا اس کی اس حرکت پر ماریہ حیرت سے بولی سب خیریت تو ہے کیا ہوا آپ کی آنکھوں کو؟ پھر نرمی و اپنائیت سے سمجھایا اتنا کیوں پڑھتے ہو کہ تھک جاؤ آپ کی یہ مطالعہ میں غرق رہنے کی عادت کب کم ہوگی؟۔ تب ہی تو آنکھیں درد کرتی ہیں۔ ارے نہیں بھائی یہ بات نہیں ہے۔ اس سے پہلے کہ میں اصل بات بتاؤں یہ بتاؤ کہ آنکھوں کے متعلق تمھارا مطالعہ کتنا وسیع ہے زیب نے اس کی تنبیہ کا جواب دیتے ہوئے سوال کیا۔ یہ کیسا عجیب سوال ہے آپ کا۔ اس نے سوال کی نوعیت کو نہ سمجھتے ہوئے کہا۔ ارے بھئی سیدھا سادا سوال ہے میں آنکھوں کے بارے میں پوچھ رہا ہوں۔ زیب نے وضاحت کی جہاں تک میں سمجھتی ہوں اللہ نے انسانی جسم کے ہر عضو کو جو خصوصیت بخشی ہے اس میں آنکھیں قدرت کا وہ بیش بہا عطیہ خداوندی ہے کہ اس کے بغیر دنیا اور اس کی نعمتیں اندھیرے میں گم ہو کر رہ جائیں گی اور بے نور آنکھیں انسان کو اندھا بنا دیتی ہیں۔ ماریہ نے مختصر مگر جامع جواب دیا۔ ہاں تمھارا جواب بالکل درست ہے پھر اسی بات کو طول دیتے ہوئے اس نے ماریہ سے کہا چلو آج اسی موضوع پر تمھیں اپنے تاثرات سناتا ہوں۔ آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے نا! ماریہ نے قدرے حیرت سے کہا کیوں بھئی میری طبیعت کا کیا ہوا۔ اچھا خاصا تمھارے سامنے بیٹھا ہوں۔ زیب نے مسکراتے ہوئے کہا وہ سب تو ٹھیک ہے لیکن یہ آنکھوں کے پیچھے کیوں پڑ گئے آپ۔ ماریہ نے اکتا کر کہا۔ بس یوں ہی دل چاہتا ہے کہ آنکھوں پر اپنے خیالات تمھیں سناؤں۔ یعنی اب مجھے بور کریں گے۔ چلو یہی سہی میں سمجھ گئی کہ اتوار ختم ہو گیا پھر دیر کس بات کی بسم اللہ کریں ماریہ ہمہ تن گوش ہوتے ہوئے بولی۔

تمھارے کہنے کے مطابق بے شک آنکھیں اللہ کا سب سے عظیم عطیہ ہیں یہ آنکھیں ہی ہیں کہ جو کچھ یہ دیکھتی ہیں اس کا انسان نہ صرف نظارہ کرتا ہے بلکہ وہ نظارے دل و دماغ پر بھی اثر انداز ہوتے ہیں اچھا نظارہ اچھا تاثر پیدا کرتا ہے اور برا نظارہ برا۔ دنیا میں ہر طرح کے حالات سامنے آتے رہتے ہیں۔ جیسے جہاں غم دکھ تکلیف خوشی سکھ چین اور آرام ہر طرح کے حالات پیش آتے ہیں اور اس حساب سے دل و دماغ بھی متاثر ہوتا ہے یہ آنکھیں جب قدرتی مناظر کے روبرو ہوتی ہیں تو روح کو تازگی اور فرحت عطا کرتی ہیں سفر کے دوران انسان قدرتی نظاروں سے بے حد محظوظ ہوتا ہے سرسبز و شاداب لہلہاتے کھیتوں کا نظارہ کتنا بھلا اور خوبصورت لگتا ہے اونچے نیچے آڑے ترچھے پہاڑ بھی کتنے سہانے لگتے ہیں اور اگر برسات کا موسم ہو تو ان پر اگی ہوئی گھاس ہریالی اور پیڑوں کے جھنڈ ان کی شان کو دوبالا کرتے ہیں اور اس خوشگوار نظارے سے انسان جس قدر تازگی محسوس کرتا ہے اس کی لطافت سے مسرور بھی ہوتا ہے۔ اب یہی آنکھیں جب دنیا میں تباہی اور بربادی کے حالات دیکھتی ہیں تو انسان کا دل تڑپ اٹھتا ہے اور انھیں آنکھوں سے آنسوؤں کے گرم قطرے ابل کر انسان کے غم کا اظہار ہوتا ہے۔ بربادی پر زیادہ کچھ نہ کہہ کر آنکھوں کے متعلق یہ بھی بتاؤں کہ یہ آنکھیں ہی ہیں کہ جس سے ہر طرح کے جذبات سے دل مغلوب ہو جاتا ہے۔ انھیں آنکھوں سے دل و دماغ میں ہیجان بھی پیدا ہوتا ہے اور پاکیزہ خیالات بھی انھیں سے نفرت بھی۔ پیدا ہوتی ہے اور محبت بھی۔

پھر زیب کی رگ شرارت پھڑک اٹھی اور وہ شرارت پر اتر آیا اس نے ماریہ کو چھیڑتے ہوئے کہا اور یہی دیکھ لو مجھ پر پہلی نظر پڑتے ہی تم خاکسار پر فدا ہو گئیں اس بات پر ماریہ بھڑک اٹھی اور بولی مجھے آپ کی اس بات پر سخت اعتراض ہے آپ کی اطلاع کے لیے بتا دوں کہ ہوش

میں آنے کے بعد سے ہی اپنی نظروں کو نیچی رکھتی آئی ہوں اور یہ عادت آج بھی مجھ میں موجود ہے وہ تو راہ چلتے آپ ہی مجھ سے شرارت کر بیٹھے تھے جس سے میری آنکھیں آپ کی آنکھوں سے ٹکرا گئیں ہاں البتہ میں اس بات کا اعتراف کرتی ہوں کہ آپ کی اس شرارت نے میرے دل میں آپ کے لیے ایک خاص جگہ بنا لی تھی اور آپ کے گھر والوں نے جب میرا رشتہ مانگا اور میرے بزرگوں نے میری مرضی معلوم کی تو میں نے اپنی آنکھیں شرم سے جھکا لیں اور پھر ہمارے بزرگوں نے ہمارے مقدر کے حق میں فیصلہ دے دیا۔ اسی فیصلے کا صلہ ہے کہ ہم ایک دوسرے کے جیون ساتھی یعنی ہم سفر ہیں۔

اچھا اب یہ چھوڑو آؤ تمھیں وہ وجہ بتاؤں کہ کیوں میری زبان سے اُف یہ آنکھیں برجستہ نکل گیا تھا۔ ذرا ٹیبل پر پڑے اس میگزین کو اٹھاؤ اور اس میں چھپی تصویر کو دیکھ کر اپنا جواب دو۔ زیب نے ہاتھوں کو آخری موڑ دیتے ہوئے ماریہ سے کہا۔ ماریہ نے میز پر سے وہ میگزین اٹھایا لیکن اس میں چھپی تصویر کو دیکھ کر لاحول ولا قوۃ کہہ کر واپس میز پر رکھ دیا۔ ہاں ماریہ اسی فوٹو کے ردِّعمل میں میری زبان سے وہ جملہ اچانک ہی نکل گیا ذرا غور کرو سوچو کیا ہم بھی اس مرض اور وبا کے بری طرح شکار نہیں ہوئے ہیں۔ کتنا شرمناک منظر کہ ٹی وی اسکرین پر دو پیار کے اندھے غلط حالت میں ایک دوسرے کو داد عیش دے رہے ہیں اور ٹی وی کے سامنے ایک گھر کا پورا خاندان بچوں کے ساتھ اس شرمناک منظر کو دیکھ رہا ہے۔ یہ ہے آجکل کے انسان کی ذہنیت اور اس کی آنکھوں کا حال۔ یہ نادانی یہ بے حیائی اور یہ آزاد خیالی ہمیں کہاں لے جا رہی ہے۔ ہماری تہذیب اس قدر زنگ آلود ہو چکی ہے کہ اس کی دنیا والوں کو کوئی پرواہ کوئی فکر نہیں ہے۔ جن آنکھوں کو تلاوت قرآن پاک کرنا چاہیے جن آنکھوں کو نماز کی حالت میں اللہ کو دیکھنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ جن آنکھوں کو اللہ کے رسول کی احادیث کا مطالعہ کر کے ان پر عمل کرنا چاہیے۔ وہی آنکھیں استغفراللہ شیطان کے پاس گروی رکھ دی گئی ہیں۔ زیب نے غصہ و جوش بھرے لہجے میں اپنے تاثرات بیان کر ڈالے۔ ہاں آپ بالکل سہی کہتے ہیں اللہ کا شکر ہے کہ ہم ایسی سوسائٹی میں رہتے ہیں جہاں لوگوں کا یہ ماننا ہے کہ آپ ٹی وی وغیرہ سے دور ہیں گے اور ہمارا گھر اس لعنت سے پاک ہے کاش ہر ایمان والا اپنے گھر کو ان خرافات اور لعنت سے پاک رکھے تو نہ ہی ہم مظالم کے شکار ہوں گے اور نہ ہی قہرِ الٰہی ہم پر نازل ہوگا جیسا کہ آجکل ہم ایسے تباہ کن حالات سے دوچار ہو رہے ہیں ماریہ نے بھی اپنے خیالات پیش کیے ہاں ماریہ تم بالکل سچ کہتی ہو اللہ ہر ایمان والے کو عقل دے اور نیک ہدایت دے سیدھی راہ پر چلنے کی توفیق عطا کرے آمین۔

دونوں نے ایک زبان ہو کر کہا۔

اچانک ماریہ کی نظر گھڑی پر پڑی اور وہ چونک کر بولی ارے چار بج گئے چلئے میں چائے بنا کر لاتی ہوں اور وہ اپنی جگہ سے اٹھ گئی۔ زیب کی نگاہیں اسے پیار سے کچن کی طرف جاتے ہوئے دیکھنے لگیں۔

Chashma Farooqi

25/3 Joga Bai, Jamia Nagar

New Delhi-1110025

•••

فرہنگ آصفیہ سے

آبِ زلال۔ ف+ع۔ اسم مذکر۔ (آب+زلال)

منتہی الارب میں مادہ زُلال کا زَل قرار دیا ہے۔

(فرہنگ نویسوں نے لکھا ہے کہ زلال ایک کیڑے کا نام ہے جو برف میں پیدا ہوتا ہے اور جسامت میں وہ انگلی سے زیادہ نہیں ہوتا۔ یہ کیڑا بہت کم چلتا اور کم حرکت کرتا ہے چونکہ عرب میں پانی کا قحط ہے۔ اس سبب سے اکثر عرب جب ان کے ہاتھ یہ کیڑا لگ جاتا ہے تو اسی کو نچوڑ کر حلق سے اتار جاتے ہیں اور بڑی تعریف کرتے ہیں کہ اس سے بہتر کسی پانی میں یہ خنکی اور شیرینی نہیں پائی جاتی۔ مجازاً ہر ایک ٹھنڈی اور میٹھے پانی پر اس کا اطلاق ہوتا ہے۔ جناب لین صاحب مؤلف مد القاموس نے لکھا ہے کہ زُلال ایک چھوٹے سے خاص جانور کا نام ہے جس کی رنگت سفید ہوتی ہے جب وہ مر جاتا ہے تو اسے پانی میں ڈال دیتے ہیں جس کی تاثیر سے پانی ٹھنڈا ہو جاتا ہے۔ یہی مصنف ارسطو کے حوالہ سے ہمارے اس بیان کی بھی تصدیق کرتا ہے جو ہم نے اوپر لکھا ہے کہ اس کا ایک انگلی کے برابر قد ہوتا ہے۔ اور اس کے جسم پر زرد زرد دھبے ہوتے ہیں

(۱) صاف اور شفاف پانی۔ نرمل جل۔ نتھرا ہوا پانی۔ نسوکھ پانی۔ نسوت پانی (۲) کسی دوائی کا عرق جو صرف نتھار اجاوے۔ نترا ہوا پانی یا عرق۔ (۳) نہایت میٹھا اور شیریں پانی۔ ٹھنڈا پانی خوشگوار پانی۔ صحت بخش پانی۔

غزل

ریحانہ عاطف خیر آبادی

ہمارے ساتھ محبت کا ایک لمحہ تھا
جو قلب و جاں کے لیے ہر قدم اُجالا تھا

غمِ فراق تمھیں بھی، ہمیں بھی ہجر کا غم
ہمارا درد تمھارے ہی درد جیسا تھا

کسی کے حسن کا پرتو تھا ایک اک شے میں
جدھر بھی دیکھ رہے تھے اسی کا جلوہ تھا

رہا ہمیشہ تصور میں وہ رُخِ تاباں
وہ جس کو ہم نے فقط ایک بار دیکھا تھا

جو ہم پہ کرتا رہا جبر و ظلم تا بہ حیات
نہیں تھا غیر کوئی وہ ہمارا اپنا تھا

اسی لیے نہ کبھی مندمل ہوا شاید
جو دل کا زخم تھا وہ کچھ زیادہ گہرا تھا

تمھاری آنکھ سے کیوں اشک بہہ گئے عاطف
نہیں بتاؤ تمھیں کون یاد آیا تھا

Rehana Atif Khairabadi
Gul Barg Manzil, Kala Piyada
(Adbistan) Khairabad, Distt. Sitapur-261131

غزل

اصفیہ خان

زندگی تیرے حوادث سے نکھر جاؤں گی
میں کوئی خواب نہیں ہوں کہ بکھر جاؤں گی

ہو مجھے اذنِ سفر روح کے معراج تلک
دیکھنا آگ کے دریا سے گزر جاؤں گی

کیوں مرے قتل کی سازش میں مرے جاتے ہو
میں تو اک جنبشِ ابرو سے ہی مر جاؤں گی

میں نے تسلیم سے معمور کیا ہے خود کو
روشنی ہوگی اسی سمت جدھر جاؤں گی

مجھ کو موقع تو ملے، چاہے ہوا کیسی رہے
اک چراغ آپ کی دہلیز پہ دھر جاؤں گی

وقت کا آئینہ حیران نظر آئے گا
عہدِ سنگلاخ سے جس روز گزر جاؤں گی

اصفیہ خان ہوں زنجیر نہ کھیے مجھ کو
”میں تو خوشبو ہوں ہواؤں میں بکھر جاؤں گی“

Asfiya Khan
C-52, Abul Fazal Enclave, Jamia Nagar, Okhla, New Delhi

عاتکہ ماہین

نظمیں

کیوں؟

تمھیں کانٹوں سے الفت ہے
مجھے پھولوں سے رغبت ہے
تو پھر کیوں کر؟
ہماری زندگی
پرلطف ہوتی ہے
تمھیں مچھلی پکڑنا اس قدر محبوب لگتا ہے
میری خواہش یہ رہتی ہے
انھیں آزاد رہنے دو

تمھیں اصرار یہ ہے کہ
میں اس ساری خدائی کو
تمھاری آنکھ سے دیکھوں
مگر تم ہی بتاؤ
جب میرے اعضا سلامت ہیں
تو پھر بیساکھیوں سے کیوں؟
مجھے کوئی تعلق ہو
میں کیوں محتاج ہو جاؤں؟

حسن سخن

پتھر کی موت

یہاں آؤ
ادھر کو، اس طرف کو
غور سے دیکھو
جہاں تک دیکھ سکتے ہو
اسی دیوار کے اس پار
بڑا سا ایک پتھر ہے
ازل سے سخت و جامد ہے
کئی فرہاد آئے اور گئے آشفتہ سر ہو کر
ذرا سی سنگ میں جنبش ہوئی ہو
کہیں پر تو کوئی ہلکا نشاں ہو
ہزاروں سال سے بارش برستی ہی رہی اس پر
کئی طوفاں بھی گزرے ہیں اسی کے گرد سے ہو کر
جمود لازوال سنگ کو کس نے تراشا ہے؟
کہیں ایسا نہ ہو
آہستگی سے یہ پگھل جائے
فنا کی گود میں خود کو چھپا لے
اور
خموشی پنکھ پھیلائے
در و دیوار پر رقصاں
لہو کی بوند ٹپکائے

Atika Mahin
Research Scholar
Aligargh Muslim University

غزلیں

فرحین اقبال

چراغ شوق یہاں دل کے آبلے بھی تو ہیں
قدم قدم پہ قیامت کے فاصلے بھی تو ہیں

یہ خار خار تمنا ہے زخم زخم خیال
جنوں کی راہ میں یہ دل کے سلسلے بھی تو ہیں

یہ اور بات ہے دل ریت کا سمندر ہے
اسی میں گمشدہ طوفاں کے ولولے بھی تو ہیں

میں مصلحت کے پہاڑوں کا بوجھ ڈھوتی ہوں
یہ روز وشب کے مسائل کے زلزلے بھی توں ہوں

بدل گئی ہے اگر راہ حکم ربی کی
تمھارے ساتھ قدم دو قدم چلے بھی تو ہیں

سفر کے موڑ کے رستے بھی جس میں ساتھ نہ دیں
کہ منزلیں جنھیں کہئے وہ مرحلے بھی تو ہیں

وقار عشق کی فرحین لاج یوں رکھی
کہ اس میں راز محبت کے حوصلے بھی تو ہیں

زنجیر جیسے حلقوں کے جو سلسلے ہوئے
ہر ہر قدم کے ساتھ وہی حوصلے ہوئے

ہم خواب دیکھتے رہے اور بھولتے گئے
کہنے کو زندگی میں یہی مشغلے ہوئے

یہ دل کی دھڑکنیں تو نہ لفظوں میں ڈھل سکیں
آنکھوں نے جو کہا وہی شکوے گلے ہوئے

الفاظ کی وہ دھوپ تھی رنگوں میں ڈھل گئی
قوس قزح کے رنگ تھے جو مسئلے ہوئے

منزل کا ڈھونڈتے ہیں کہ نام و نشاں ملے
مدت ہوئی ہے ہم کو سفر میں چلے ہوئے

دل کی کہانیاں تھیں ہواؤں کے روپ میں
جو قربتیں تھیں غم کی وہی فاصلے ہوئے

فرحین جیسے کانٹوں پہ شبنم بکھر گئی
لو دے اٹھے چراغ دلوں میں جلے ہوئے

H NO 365/B Fourth Floor, Gali No 6
Zakir Nager, Batla house Okhla, New Delhi

لذیذ پکوان

چاکلیٹ آئس کریم

اجزاء: دودھ: دو کپ، چینی: ایک تہائی کپ، کارن فلور: ایک کھانے کا چمچ، کریم: ایک کپ، ڈارک چاکلیٹ: ایک کپ، ونیلا ایسنس: چند قطرے

ترکیب: ایک کپ دودھ گرم کریں، اس میں ڈارک چاکلیٹ ڈال کر ہلکی آنچ پر پگھلا لیں۔ جب چاکلیٹ پگھل جائے اور گاڑھی سی چاکلیٹ سوس بن جائے تو چولہا بند کردیں اور ٹھنڈا کرلیں۔ بقایا دودھ میں چینی ڈال کر ابال لیں۔ جب ابال آجائے تو کارن فلور پانی میں گھول کر دودھ میں شامل کردیں اور دو سے تین منٹ تک مزید پکائیں۔ اس کے بعد دودھ میں چاکلیٹ سوس شامل کرکے اچھی طرح مکس کرلیں، پھر اس مکسچر کو ٹھنڈا کر کے اس میں ونیلا ایسنس اور کریم ڈال کر اچھی طرح پھینٹ لیں۔ پھر پلاسٹک کے ڈبے میں آئس کریم کا مکسچر ڈال کر اوپر سے کور کرکے فریزر میں جمانے کے لیے رکھ دیں۔ جب خوب جم جائے تو فریزر سے نکال کر آئس کریم کو دو حصوں میں تقسیم کرلیں، پھر ایک ایک حصے کو بلینڈر میں ڈال کر اچھی طرح بلینڈ کرلیں۔ اس کے بعد دوبارہ جمانے رکھ دیں، جب جم جائے تو چاکلیٹ ویفرز یا کون میں ڈال کر مزیدار چاکلیٹ آئس کریم سرو کریں۔

پنیر کباب

اجزاء: کاٹیج چیز دو کپ، پیاز ایک عدد، ادرک ایک انچ کا ٹکڑا، ہری مرچیں چار عدد، ہلدی پاؤڈر چائے کا چمچ، نمک حسب ضرورت، لال مرچ پاؤڈر حسب ذائقہ، قصوری میتھی چائے کا چمچ، ہرا دھنیا حسب ضرورت، کارنفلور آدھا سے ایک کپ، تیل دو بڑے چمچ۔

ترکیب: سب سے پہلے پیاز اور ہری مرچوں کو باریک کاٹ لیں، اور ادرک کو باریک کوٹ لیں۔ ایک برتن میں کاٹیج چیز ڈال کر اس میں کارن فلور، پیاز، ادرک، ہری مرچیں، ہلدی پاؤڈر، لال مرچ پاؤڈر، نمک حسب ضرورت، قصوری میتھی اور کترا ہوا باریک ہرا دھنیا شامل کرکے اچھی طرح مکس کرلیں۔ اب اس مکسچر کو کچھ دیر کے لیے رکھ دیں۔ ہتھیلی کو ذرا سا گیلا کرکے اس مکسچر کے کباب بنالیں۔ ایک پلیٹ میں تھوڑا سا کارن فلور لیں، کباب کی دونوں سائیڈوں پر کارن فلور لگائیں اور گرم تیل میں ڈال دیں، اس دوران ایک پلیٹ میں چار سے پانچ ٹشو پیپر یا پھر سادہ کاغذ بچھا دیں اور سنہرے ہونے پر کباب اس میں رکھے جائیں۔ چیز کباب کو مختلف چٹنیوں کے ساتھ گرما گرم پیش کریں۔

بادامی پسندے

اجزاء: پسندے ایک کلو، ادرک، لہسن پسا ہوا دو کھانے کے چمچ، نمک حسب ضرورت، پیاز تین عدد درمیانی، لال مرچ پسی ہوئی ایک کھانے کا چمچ، سفید زیرہ ایک کھانے کا چمچ، گرم مصالحہ ایک کھانے کا چمچ، دہی ایک پیالی، کچا پپیتا پسا ہوا دو کھانے کے چمچ، بھنے ہوئے چنے چار کھانے کے چمچ، آئل دو کھانے کے چمچ۔

ترکیب: سفید زیرہ، دھنیا، چنے خشخاش اور بادام کو توے پر بھون کر پیس لیں۔ اس میں نمک ادرک لہسن، لال مرچ کچا پپیتا اور دہی ملالیں۔ دو پیاز کو کچی پیس کر اس مصالحے میں ملالیں۔ سارے مصالحوں کو اچھی طرح پسندوں میں لگادیں اور چار سے چھ گھنٹے کے لیے رکھ دیں۔ اس کے بعد دیگچی میں کوکنگ آئل کو درمیانی آنچ پر دو سے تین منٹ گرم کریں اور بچے ہوئے پیاز کو باریک کاٹ کر سنہرا فرائی کریں اور اس کے بعد مصالحے لگے پسندوں کو اس میں ڈال کر درمیانی آنچ پر پانچ سے سات منٹ تک پکائیں پھر آنچ ہلکی کر کے اتنی دیر پکائیں کہ پانی خشک ہو جائے اور پسندے اچھی طرح گل جائیں ہلکا سا بھون کر اتار لیں۔ ہرا دھنیا باریک کٹا ہوا پودینہ باریک کٹا ہوا اور لیموں کٹے ہوئے ڈش میں نکال کر گرم گرم چپاتی کے ساتھ پیش کریں۔

لذیذ دہی بڑے

اجزاء:

بڑوں کے لیے: دھلی ہوئی ماش ارد دال ایک کپ، پانی تین گلاس، نمک چٹکی بھر، زیرہ ایک چائے کا چمچ، ادرک (باریک کٹا ہوا) ایک کھانے کا چمچ، ہری مرچ (باریک کٹی ہوئی) دو عدد، تیل ایک کپ

دہی کے آمیزے کے لیے: دہی (گاڑھا اور پھینٹا ہوا) دو کپ، چینی ایک چائے کا چمچ، نمک دو چٹکی، زیرہ (بھنا ہوا) ایک چائے کا چمچ، سیاہ نمک ایک چٹکی، سفید مرچ پاؤڈر ایک چٹکی۔

سجاوٹ کے لیے: ادرک آدھا انچ کا ٹکڑا باریک کاٹ لیں، ہرا دھنیا آدھی گٹھی، سفید مرچ کا سفوف چٹکی بھر، زیرہ (پسا ہوا اور بھنا ہوا) چٹکی بھر، پودینہ چند پتیاں، املی کی چٹنی 40 گرام

ترکیب: دال کو دھو کر 2 گھنٹوں کے لیے بھگو دیں۔ پھر اسے پیس کر باریک پیسٹ بنالیں۔ اسے ایک پیالے میں ڈال لیں اور اس میں نمک، ہری مرچ، زیرہ ڈال کر اچھی طرح مکس کریں اور پیڑوں کی شکل دے دیں۔ ایک کڑاہی میں تیل گرم کریں اس میں تیار کردہ پیڑے شامل کردیں اور انھیں تل کر سنہری مائل بھورے رنگ کا کرلیں۔ (ہر بڑے کے وسط میں انگوٹھے کی مدد سے ایک سوراخ بنادیں) پھر انھیں پیپر ٹاول پر نکال لیں پھر انھیں ہلکے گرم پانی میں بھگو دیں۔ پھینٹے ہوئے دہی میں چینی، زیرہ، سیاہ نمک اور سفید مرچ شامل کردیں۔ اچھی طرح یکجا کریں۔ بڑوں کو پانی سے نکال لیں اور پانی نچوڑ کر انھیں دہی میں شامل کردیں اور 15 منٹ کے لیے ایک طرف رکھ دیں۔ اسے ٹھنڈا کر کے ادرک، ہری مرچ، ہرا دھنیا، سرخ مرچ، زیرے، پودینے اور املی کی چٹنی سے سجا کر پیش کریں۔

بریڈ رول

اجزاء: ڈبل روٹی کے سلائس آٹھ عدد، نمک حسب ذائقہ، لال مرچ پاؤڈر ڈیڑھ چائے کا چمچ، ہری مرچیں باریک کٹی ہوئی دو عدد، قیمہ باریک پسا ہوا آدھا کلو، آئل حسب ضرورت، انڈے دو عدد اور لہسن پیسٹ ایک چائے کا چمچ۔

ترکیب: سب سے پہلے قیمے میں نمک، لہسن ادرک، لال مرچ پاؤڈر اور ہری مرچیں ڈال کر تیل میں بھون لیں۔ ڈبل روٹی کے کنارے الگ کرلیں، ایک برتن میں دو کپ پانی ڈال کر اس میں ایک چٹکی نمک ڈال دیں اور ڈبل روٹی کے ایک ایک سلائس کو اس میں ڈبو کر نکال لیں اور ہتھیلیوں میں دبا کر نچوڑ لیں۔ اس طرح سے ڈبل روٹی ہلکی نمکین ہو جائے گی۔ اب ڈبل روٹی کو ہتھیلی پر رکھ کر اس میں قیمے کا آمیزہ چمچ بھر کر رکھیں اور اس کو رول سا بنالیں۔ تیل گرم کریں اور رول کو انڈے میں ڈپ کر کے گرم تیل میں ڈیپ فرائی کرلیں۔ مزیدار ڈنر رول تیار ہے، کیچپ کے ساتھ سرو کریں۔

خاتونِ خانہ صحت مند تو پورا گھر صحت مند

ڈاکٹر ریحان انصاری

عورت اور مردوں کے صحت کے مسائل تقریباً یکساں ہوتے ہیں مگر عورتوں میں کسی قدر مختلف انداز میں ظاہر ہوا کرتے ہیں۔ مثلاً دل کے امراض کی علامات مردوں اور عورتوں میں جدا جدا ہو سکتی ہیں۔ عورتوں میں چند عوارض مردوں کے مقابلے میں زیادہ ملتے ہیں جیسے جوڑوں کا درد، موٹاپا اور ڈپریشن یا افسردگی۔ علاوہ ازیں حیض، حمل اور سن یاس (مینوپاز) کی پریشانیاں صرف عورتوں کی ہوتی ہیں۔

عورتیں اکثر اپنی پریشانیوں سے بے پروا ملتی ہیں اور اپنے خاوند اور بچوں کی پریشانیوں پر توجہ رکھتی ہیں۔ یہ انتہائی غلط بات ہے۔ اپنی صحت کو ہمیشہ ترجیح ملنی چاہیے۔ ہم اس مضمون میں عورتوں کو چند ترکیبیں بتانا چاہتے ہیں کہ جن کو اپنا کر وہ اپنی صحت کی حفاظت کر سکتی ہیں۔

روزانہ

☆ کھانوں میں سبزیاں اور پھلوں کے استعمال سے آپ کئی قسم کے کہنہ امراض اور کینسر سے خود کو بچا سکتی ہیں۔ پھلوں اور سبزیوں میں آپ کو کئی قسم کی معدنیات، حیاتین، نباتاتی ریشے اور کئی مفید اجزا ملتے ہیں جو صحت کے محافظ ہوتے ہیں۔ پھلوں اور سبزیوں میں قدرتی طور پر چربی

اور کیلوری نسبتاً کم پائی جاتی ہے اور یہ صرف بھوک کا مداوا کرتے ہیں۔ آپ ان کا انتخاب بھی حسب موسم کم و بیش کر سکتے ہیں اور موسمی پھل یا سبزیاں ہی استعمال کرنا مفید ہوتا ہے۔ پانی بھی زیادہ پیا کریں۔ نمک کا استعمال کم رکھیں۔ میٹھی اور تلی ہوئی اشیاء سے ممکنہ حد تک بچتے رہیں۔ جب جب ہلکا ناشتہ لیں تو اس میں وہی منتخب کریں جو موٹاپا پیدا نہ کرے۔

☆ موٹاپا یا وزن کو کنٹرول میں رکھنے کے لیے آپ کو متوازن غذا ہی استعمال کرنی چاہیے۔ تلی ہوئی اشیاء یا چربی دار غذاؤں سے بچنا چاہیے۔ ناشتہ وغیرہ میں بھی کم چیزیں اور وہ بھی سائز میں چھوٹی ہونی چاہئیں۔ ہلکی پھلکی ورزشیں جاری رکھنی چاہیے۔

☆ چہل قدمی کرتے رہنے یا خود کو متحرک رکھنے سے دل کی بیماریوں سے حفاظت رہتی ہے۔ علاوہ ازیں لقوہ، آنتوں کے کینسر، ذیابیطس اور ہائی بلڈ پریشر سے بھی بچا جا سکتا ہے۔ چہل قدمی سے وزن بھی کنٹرول میں رہتا ہے، ہڈیاں بھی صحتمند رہتی ہیں، پٹھے اور جوڑ بھی درست رہتے ہیں اور بڑھاپے میں گرنے اور زخمی ہونے کے امکانات گھٹ جاتے ہیں، جوڑوں کے درد میں بھی افاقہ ہوتا ہے، تردّد اور افسردگی کی علامات کو یہ قابو میں رکھتی ہے، اسپتالوں یا ڈاکٹروں اور دواؤں سے بھی کسی قدر بچاؤ ہوتا ہے۔ ہفتے میں پانچ یا چھ دن محض آدھ گھنٹے یومیہ کی تیز چہل قدمی ان فوائد کے حصول کے لیے کافی ہے۔

☆ کچھ عورتوں کو تمباکو نوشی کی عادت ہوتی ہے۔ اگر وہ اسے ترک کر سکیں تو اس سے بڑا اور کوئی کام خود کے لیے نہیں ہوگا۔ اس سے آپ کی عمر اور صحت دونوں دراز ہو سکتے ہیں۔ دل کے امراض، کینسر، لقوہ اور دیگر شدید امراض سے بچ سکتی ہیں۔ آپ حاملہ ہو جائیں تو نومولود صحتمند رہے گا۔ آپ کے تمام افرادِ خانہ کی بھی صحت کی حفاظت ہوگی اور سب سے بڑھ کر یہ کہ آپ تمباکو نوشی پر خرچ ہونے والی رقم بچا کر دوسرے

اہم کاموں پر لگا سکتی ہیں۔

☆ گھریلو خواتین کے علاوہ برسر روزگار خواتین کے ساتھ ایک اہم مسئلہ یہ بھی لگا ہوتا ہے کہ وہ کام کے بوجھ اور دباؤ کے سبب ذہنی تناؤ کا شکار ہو جاتی ہیں۔ یہ ذہنی تناؤ متعدد امراض کا سبب ہوتا ہے جن میں دل اور دماغ و نفسیاتی امراض کے علاوہ جوڑوں اور پٹھوں کے امراض بھی شامل ہیں۔ اس کا سہل ترین طریقہ یہی ہے کہ حتی الامکان خود کو ذہنی تناؤ کا شکار ہونے سے بچائے رکھیں۔ دواؤں کے چکر میں نہ پڑیں۔

☆ خود کے بارے میں بھی زیادہ جانکاری حاصل کریں جیسے آپ کے والدین میں سے کسی کو ذیابیطس، ہائی بلڈ پریشر، دل کے امراض یا کینسر تو نہیں رہا؟، اگر آپ کسی روزگار یا کاروبار سے متعلق ہیں تو آپ کسی کیمیکل یا دوسرے زخمی کرنے والے اوزار کا استعمال تو نہیں کرتیں، کھیل کے شعبہ میں ہیں تو بھی یہی خیال رکھنا لازمی ہے۔ آپ کے روزمرّہ کے معمولات اور عادتیں آپ کی صحت پر اثر انداز ہوتے ہیں۔

☆ ہمیشہ زخمی ہونے سے خود کو محفوظ رکھیں۔ آپ کے کام کی جگہوں پر ایسے اوزار یا حالات موجود ہو سکتے ہیں جو آپ کو زخمی کر سکتے ہیں یا پھر چند کیمیکل ہو سکتے ہیں جو آپ کی جلد یا دیگر اعضاء کے لیے مضر ہو سکتے ہیں اس لیے ان خطرات سے خود کو ہمیشہ محفوظ رکھنے کے لیے اقدامات کرتے رہیں۔

☆ اپنے لیے بھی وقت نکالیں۔ صرف کام ہی کام مت کرتے رہیں۔ ایسے مشغلے اختیار کریں جس میں تمہاری دلچسپی کا سامان ہوں۔ آرام اور سونے کے لیے بھی مناسب وقفہ نکالیں۔

ہفت روزہ

☆ اگر آپ کوئی ورزش شروع کرنا چاہتی ہیں تو اس کی ابتداء تھوڑی تھوڑی ورزش کے ساتھ کریں اور رفتہ رفتہ بڑھاتے جائیں تاکہ نقصان یا زخمی ہونے سے بچیں۔ شدید ورزش اختیار کرنے سے قبل اپنے ڈاکٹر سے مشورہ کریں اور ہر ممکنہ رسک کو جان لیں۔

☆ اگر آپ شروع میں کچھ دقت محسوس کریں تو بھی ہمت نہ ہاریں بلکہ ورزش جاری رکھیں۔ دھیرے دھیرے عادت ہو جائے گی۔

☆ پورے ہفتے میں صحت پر اثر انداز ہونے والے سبھی عوامل کا جائزہ لیا کریں کہ کس چیز سے آپ کو فائدہ پہنچا ہے اور کیا بات نقصاندہ ثابت ہوئی۔

ماہانہ

☆ ہر مہینے اپنے پستان کا خود ہی معائنہ کرنے کی عادت ڈالیں۔ آپ اس کی جانکاری اپنی معالج یا ڈاکٹر سے لے سکتی ہیں۔ اس کا فائدہ یہ ہوگا کہ پستان کے مسائل یا کینسر کی جلد نشاندہی سے اس کا علاج آسان ہو جائے گا۔

☆ ہر مہینے کی برابر سے پلاننگ کرتے رہنا بھی صحت کے لیے بہت مفید ہے۔ کھانے پینے اور خود کے علاوہ گھر کے دیگر افراد کے لیے دوائیں اور دیگر لازمی اشیاء کی مناسب فراہمی، موسم اور اس کے معمولات کا خیال کرنا، اپنے علاقے سے باہر کسی ضرورت کے لیے جانا ہو تو روانگی سے پہلے اپنے ڈاکٹر سے مناسب صلاح لینی چاہیے۔

سالانہ

چند امراض کی وجہ سے اپنے ڈاکٹر کے پاس سالانہ چیک اپ بھی بے حد ضروری ہے۔ خصوصاً چالیس سال کی عمر کے بعد پستانوں کے ایکسرے (میموگرافی) کروانا، مہبل کے راستے (ساخت) کا خوردبینی معائنہ (Test Pap) کروانا، ذیابیطس، دانت، آنکھیں اور جنسی معاملات کے ٹیسٹ کروانا، موروثی اور نفسیاتی امراض سے متعلقہ ٹیسٹ کروانا۔ وغیرہ۔

امراض سے تحفظ کے ٹیکے صرف بچوں کے لیے ہی نہیں ہوتے بلکہ بالغ افراد کو بھی بعض ٹیکے لیتے رہنا چاہیے۔ اگر آپ چند پالتو حیوانات کے ساتھ گذر بسر رکھتے ہیں تو اس کا خیال رکھیں کہ ان حیوانات کی صحت بھی قائم رہے کیونکہ وہ بھی بیماریوں کا باعث بن سکتے ہیں۔

حمل اور احتیاط

اگر آپ حاملہ ہونا چاہتی ہیں تو یہ خیال رہے کہ آپ کو استقرارِ حمل سے پہلے، دورانِ حمل اور وضعِ حمل کے بعد بھی ”فولک ایسڈ“ کی گولیاں لیتے رہنا چاہیے۔ اس سے نومولود کسی بھی پیدائشی نقص سے محفوظ رہے گا۔

امراض اور مسائل

چند حالتیں تکلیف پیدا کرتی ہیں جیسے ماہواری کی خرابیاں، خون کی کمی، ہڈیوں کی کمزوری (کیلشیم کی کمی)، پیٹھ اور کمر کا درد، سفید رطوبت کا اخراج، بانجھ پن، بچے کی پرورش اور دودھ پلانے کے دوران پیش آنے والی مشکلات و کیفیات، بالوں کا جھڑنا، نفسیاتی عوارض اور ہسٹیریا؛ یہ سب اپنی جگہ اہم اور عام ہونے کے ساتھ ساتھ طویل وضاحت بھی چاہتے ہیں۔

Dr. Rehan Ansari
455, Purani Haveli
Hyderabad-500 002

شاہینہ زرّیں

فیشن کے بدلتے تقاضے اور بوٹیک

فیشن کے لغوی معنی ہیں لباس یا پہناوا، وضع یا تراش خراش، لیکن عام طور پر فیشن اسے کہتے ہیں جس چیز کا رواج ہو یعنی نئے انداز یا نئی وضع کا رواج پانا یا چلن ہونا ہی فیشن کہلاتا ہے دراصل فیشن ایک بدلاؤ کا نام ہے جو ہمیں نئے پن کا احساس کراتا ہے اور یہ نیا پن ہر تھوڑے دنوں کے بعد ہم سے فیشن کی شکل میں روبرو ہوتا ہے کپڑا ہو، ہیئر اسٹائل ہو یا میک اپ یہ سب کچھ کبھی پرانا نہیں ہوتا بلکہ ہر تھوڑے عرصے کے بعد بدل جاتا ہے اور یہ بدلاؤ لوگوں کو لبھانے لگتا ہے ہمیں ایک نئے پن کا احساس ہوتا ہے اور اسے ہم فیشن کا نام دے دیتے ہیں۔

ہمارے ملک میں فیشن کے لیے نہ تو کوئی دن مقرر ہے اور نہ ہی کوئی وقت ہمارے یہاں تو ہر وقت فیشن کی بہار ہوتی ہے، جب کہ غیر ممالک میں ۹ر جولائی کو فیشن ڈے منایا جاتا ہے اور باقاعدہ نئے نئے فیشن سے لوگوں کو روشناس کرانے کی تقاریب منعقد کی جاتی ہیں۔ فیشن یقیناً ہمیں وقت اور سماج کے ساتھ چلنا سکھاتا ہے لیکن اس کے لیے بھی عقل و شعور کی ضرورت ہوتی ہے ہمیں یقیناً وقت اور سماج کے ساتھ چلنا چاہیے لیکن عقل و شعور کا ساتھ دیتے ہوئے ہم دیکھتے ہیں کہ فیشن کا پیچھا اس وقت بھی نہیں چھوڑا جاتا جب کہیں تعزیت میں جایا جاتا ہے بہت سے لوگ تعزیت میں بھی فیشن ایبل لباس پہن کر پہنچ جاتے ہیں اور لوگوں کے طنز و ہدف کا نشانہ بنتے ہیں کسی بھی موقع پر جانے کے لیے لباس کے انتخاب کرنے کا بھی ایک سلیقہ ہونا چاہیے کوشش یہ کرنی چاہیے کہ ایسے موقعوں پر کپڑے زیادہ شوخ رنگ کے نہ ہوں اور ایسے تراش خراش کے نہ ہوں جسے دیکھ کر کسی کی دل آزاری ہو یا پہننے والے کی شخصیت مضحکہ خیز بن جائے۔ فیشن یقیناً ایک آرٹ ہے شخصیت کو نکھارنے اور سنوارنے کا۔ فیشن کے تقاضے بدلتے رہتے ہیں اور ان تقاضوں کو پورا کرنے کے لئے آج کل بوٹیک کا رواج بہت بڑھ گیا ہے۔ بوٹیک دراصل ایسے چھوٹے اسٹور کو کہتے ہیں جہاں کم قیمت پر ڈیزائنر کپڑے اور زیورات دستیاب ہوتے ہیں۔ بوٹیک فرنچ کا لفظ ہے انگریزی میں اسے 1960 کے آس پاس شامل کیا گیا۔ جب

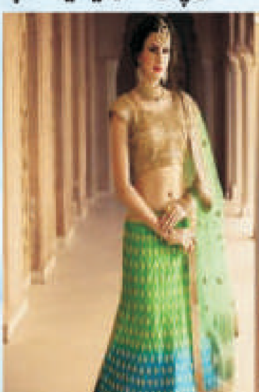

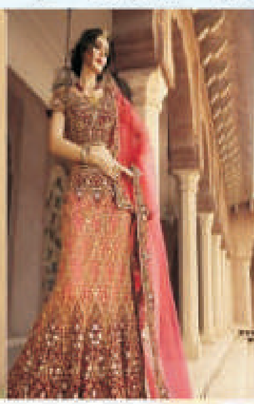

لندن فیشن کا مرکز بنا اور وہاں پر کیرنبی اسٹریٹ اور کنگ روڈ پر فیشن ایبل اسٹور کھولے گئے اور انھوں نے میڈیا کے لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کیا۔ حالانکہ بوٹیک دوسرے معنوں میں بھی استعمال ہوتا ہے، لیکن عام طور پر اسے ہاتھ سے بنے سامانوں اور کپڑے کے ایک چھوٹے مرکز کے مانند جانا جاتا ہے۔

1990 کے آس پاس یورپین چھوٹے کاروباریوں نے اسے ٹیلرنگ کے ایک ایسے مرکز کے طور پر بڑھاوا دیا، جہاں بڑے شوروم کے مقابلے میں سستے داموں پر لوگوں کو کپڑے مہیا کرائے جائیں۔ بوٹیک اور فیشن دونوں کا ایک ایسا اٹوٹ رشتہ ہے جسے ایک دوسرے سے الگ کرنا مشکل ہے یہ کاروبار ان لوگوں کے لئے ایک ایسی نعمت ہیں غیر مترقبہ سے کم نہیں جس کے اندر یہ صلاحیت ہے کہ اس فن کو اپنے ذوق وشوق سے آگے بڑھائیں اور ان کے لئے بھی ایک ایسی نعمت ہے جو وقت کے ساتھ چلنا تو چاہتے ہیں، نئی تراش خراش کے لباس پہننا چاہتے ہیں، لیکن ان کی جیب

بڑے شوروم سے مہنگی قیمت پر کپڑے خرید سکنے کے متحمل نہیں ہوتی اس لئے وہ لوگ ایسے بوٹیک کی طرف رُخ کرتے ہیں جہاں سے ان کو نئے فیشن کے مطابق کم قیمت پر کپڑے دستیاب ہو جائیں اور وہ اپنے شوق کی تسکین کر سکیں۔ وقت کے ساتھ قدم ملانے کا جسے ہنر آتا ہے وہی ایک کامیاب بوٹیک چلانے کا اہل ہو سکتا ہے اگر کام میں سچائی اور ایمانداری ہو تو یقیناً کسی بھی پیشے میں کامیابی حاصل ہو سکتی ہے اور یہ بات ان پر صادق آتی ہے جنھوں نے اس فن کو اپنی روزی کا وسیلہ بنایا ایسے لوگ نہ صرف اپنی محنت سے خود اپنے وقت کا صحیح استعمال کر رہے ہیں لوگوں کو فیشن کے مطابق کپڑے مہیا کرا رہے بلکہ آس پاس کے لوگوں کو روزگار بھی مہیا کرا رہے ہیں جن کے پاس صلاحیتیں تو ہیں لیکن وہ بروئے کار لانے کے اہل نہیں ہیں کیونکہ نہ تو وہ وقت کے تقاضوں سے قدم ملا کر چلنے کی

اہلیت رکھتے ہیں اور نہ معاشی طور پر اتنے مضبوط ہیں کہ وہ کچھ پونجی لگا سکیں۔ اس لئے بوٹیک اس معنی میں اہمیت کے حامل ہیں کہ وہ فیشن کے بدلتے تقاضوں کو پورا کرتے ہیں بلکہ سماج کے ان کمزور طبقوں کو روزگار بھی مہیا کراتے ہیں۔ اس لئے وہ لوگ یقیناً قابل تعریف ہیں جو لوگ اپنی محنت سے اپنی صلاحیتوں کا صحیح استعمال کر کے اپنے اور اپنے خاندان کا نام روشن کر رہے ہیں بلکہ کمزور طبقوں کو روزگار کے مواقع بھی فراہم کر کے ایک سماجی خدمت بھی انجام دے رہے ہیں۔

SHAHINA ZARRIN
SHAHINA'S BOUTIQUE
c/o M.R. ALIM AHMAD
SAUDAGAR MOHALLA
NEAR SANGIMASJID
MADARSA CHAURAHA
GORAKHPUR PIN. 273001

تاثرات

خواتین دنیا کا دوسرا شمارہ نظر نواز ہوا۔ یقیناً یہ ایک اچھی کوشش ہے۔ مگر چند افواہیں گشت کر رہی ہیں کہ فروغ اردو کونسل کو مولانا ابوالکلام آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی یا پھر جامعہ ملیہ اسلامیہ کے تحت کر دیا جائے گا۔ اس وقت جو معیارات اردو دنیا، فکر و تحقیق، بچوں کی دنیا کے ہیں وہ مشکل سے ہی ہمیں ملیں گے۔ ماہنامہ خواتین دنیا یقیناً پھر سے بانو، باجی اور دیگر ڈائجسٹوں کی یاد کو تازہ کرتے ہوئے نئے انداز میں سامنے۔

وجود زن سے ہے تصویر کائنات میں رنگ

عورت کا دل سمندر کی سطح کے مانند ہوتا ہے بظاہر خاموش لیکن گہرائیوں میں طوفان برپا ہوتا۔ عورت کی ترقی یا تنزلی پر ہی قوم کی ترقی تنزلی کا انحصار ہے۔ عورت کو کمزور کہنا اس کی توہین کرنا ہے۔ عورت آدمی سے بنائی گئی اور آدمی مٹی سے۔ مرد ساری عمر عورتوں میں گھرا رہتا ہے مگر عورت کبھی ماں، کبھی بیوی، کبھی بہن اور کبھی بیٹی کے روپ میں اس کے ساتھ رہتی ہے۔ عورت کا دل اس کے دماغ پر حکومت کرتا ہے، کانٹوں سے بھری شام کو ایک پھول سا خوبصورت بنا دیتا ہے اور غریب سے غریب گھر کو عورت جنت بنا دیتی ہے۔

خواتین کی دنیا کی اشاعت اس بات کا اعلان ہے کہ اس کے ذریعہ عورتوں کے اپنے خیالات محسوسات اور جذبات کو پیش کر کے وہ یہ بتا دے گی کہ عورت سے ہی سب کچھ ہے۔

مدیر پروفیسر سید علی کریم (ارتضیٰ کریم) نے بڑی اچھی بات کہی۔ ''نسائی ادب کی ضرورت ہے اس نسائی ادب کی جس میں پیار و محبت، اخلاص و قربانی، درد و کرب، نشاط و خود فراموشی، جذبات و سرخوشی، سرور آگیں، کیف۔ وہ کیف و سرور جو نیند سے بیدار کرے اور ذہن کو تمام طرح کی بیجا پابندیوں سے آزاد کرانے میں معاون ہو سکے۔

جس طرح حکومت 33% تحفظات خواتین کے لیے ہے اسی طرح ان کو کم از کم ادب میں 33% تحفظات ملنی چاہیے اور اس کی ایک کڑی خواتین دنیا ہے۔

دوسرا شمارہ گونا گوں خصوصیتوں کا حامل ہے۔ روبرو کے تحت ذکیہ مشہدی سے احمد صغیر کی بات چیت کافی متاثر کن ہے۔ شخصیت کے تحت تحریک آزادی نسواں میں نذر سجاد حیدر کا حصہ (نوشابہ سعدیہ) پرواز کے نئے آسمان کے عنوان سے سارہ حمید احمد پر نصرت جہاں کا مضمون، نکہت سخن کے عنوان سے شاعرات کے منتخب اشعار جس میں دس شاعرات کے اشعار ہیں۔ اس طرح قدیم خواتین شعرا کے اشعار بھی پیش کریں۔

جہان نسواں کے تحت میڈم کیوری، سیاہ چادر کے پار (انجم فریدی) خدیجہ مستور کی فکری اساس (غزالہ فاطمہ) مشترکہ وراثت اور جمہوری زبان (رضوانہ) تعلیم نسواں کا نقیب حالی (سیما صغیر) قانون میں خواتین کے تحت تعزیرات ہند اور خواتین جنسی و دیگر جرائم کے تحت جہان نسواں کا صحیح حق ادا کیا ہے۔ چار کہانیاں، اللہ کے بندے (قمر قدیر ارم) ایک لفظ کہ کشتی (لالی چودھری)، کسک (عشرت ناہید)، دل کی گلیاں (روبینہ ساگر) کے ذریعہ نئے کہانی کاروں کو پڑھنے کا موقع ملا۔

حسن سخن کے تحت نسیم نیازی، صبیحہ سنبل، بلقیس ظفیر الحسن، کہکشاں تبسم، پروین شیر اور سلمیٰ صنم کا کلام پڑھنے کو ملا جو خوصورت ہی نہیں بلکہ عنوان کے اعتبار سے سخن کو حسن عطا کر دی۔

باورچی خانہ میں گرمیوں سے راحت دینے والے مشروبات و حلوے آرائش و زیبائش کے تحت بالوں کی خوبصورتی، پھر تاثرات اور خواتین خبر نامہ ہے۔ خبر نامہ میں اردو دنیا کی طرح احاطہ کریں البتہ چند ایک مشورے یہ ہیں کہ یاد رفتگاں یا قند مکرر کے تحت مرحوم خواتین افسانہ

نگار، نثر نگار یا شاعرہ کا تعارف کے ساتھ مضمون پیش کریں اور ان کی مکمل ایک صفحہ کی فوٹو ہوتا کہ البم تیار کیا جاسکے۔ شمالی ہند کے ساتھ جنوبی ہند کی خواتین کو بھی موقع دیں بلکہ ان سے ان کی تخلیقات طلب کریں۔

یقیناً قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان کا یہ رسالہ سرکاری ہی نہیں بلکہ نجی خانگی رسالوں میں بھی عالمی معیار کا ہوگا۔ بشرطیکہ اس میں جہاں ادب ہو۔ کم قیمت عالمی معیار دلکش و دیدہ زیب رسالہ کی اشاعت پر مبارکباد۔

ڈاکٹر م۔ق۔ سلیم

سائبان، 19-2-469، بیرون فتح دروازہ، حیدرآباد

زیر نظر شمارے کے اداریے "مکالمہ" پڑھنے کا موقعہ ملا جس میں ڈاکٹر ارتضیٰ کریم نے خواتین کے ادبی شہ پاروں کو عالمی ادب سے جوڑنے کی فکر انگیز رائے دی ہے جو قابل غور و عمل ہے۔ بے شک عورت ایک لاثانی تخلیق ہے جو نسل انسانی کے کارواں کی میر نہ سہی مادر کارواں کے روپ میں اپنا عظیم کردار ادا کرنے کی حامل ہے جہاں ارتضیٰ کریم نے نسائی ادب کی بات کی ہے اس نسائی ادب کو عالمی پس منظر میں دیکھنے کے لیے ہمیں اردو شاعرات اور ادیبات کے علاوہ دیگر زبان و ادب کے خواتین قلمکاروں کی نگارشات اور تخلیقات کے تراجم بھی خواتین دنیا میں زینت بخشنے کی اشد ضرورت ہے بقول علامہ اقبال .... "وجود زن سے ہے تصویر کائنات میں رنگ"

یہ وجودِ زن محض بھارتی ناری (خواتین مشرق) کے روپ میں ہی نہیں ہے کبھی یہ مدر ٹریسا تو کبھی مادام کیوری، کبھی ام لیلا، کبھی اگا تھا کرسٹی، جون آف آرک، ملالہ افغانی بن کر اپنے معرکہ آراء نسائی جوہر کا ایک عالم سے لوہا منوا چکی ہیں۔ ایسی عالمگیر صلاحیتوں سے مالا مال خواتین کے ذکر و اذکار کو پیش کر کے خواتین دنیا کا شمارہ عالمی سطح پر متعارف ہونے کا ملکہ رکھتا ہے۔

قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان نے اپنی بیشتر ذمہ داریوں کے ساتھ ساتھ جو نسائی ادب کے اضافے کا اشاعتی ذمہ لیا ہے وہ قابل تحسین ہے۔

آپ نے زیر نظر شمارے میں خواتین کی شعری تخلیقات کو جگہ دے کر بڑی فراخ دلی اور وسعت نظری کا ثبوت دیا ہے۔

کہانیوں کا حصہ بھی خواتین کے ذہنی دریچوں سے نکلتی ہوئی پرنور کرنوں کا احساس دلاتا ہے۔ ڈاکٹر سیما صغیر کا مضمون 'تعلیم نسواں کا نقیب الطاف حسین حالی' اس شمارے کے وقار کو دوبالا کرتا ہے۔ خواجہ عبدالمنتقم کا مضمون ایک نئی اور الگ نہج کی نشاندہی کرتا ہے۔

امید ہے کہ آپ بہ ہمہ وجوہ خوش ہوں گے۔ خاکسار

علیم صبا نویدی

226/192 ٹرپلیکین ہائی روڈ، فلیٹ نمبر 16 رائس منڈی اسٹریٹ، چنئی

محترم ایڈیٹر صاحب صاحب! خاتون دنیا۔ قومی کونسل اور آں جناب کی ٹیم کی طرف سے جہان اردو میں اب ایک اور تعمیری دھماکہ۔ سلام، شکریہ، مبارک باد۔ عجب حسن اتفاق ہے کہ جب میں آٹھویں جماعت کی طالبہ تھی تو ماہنامہ "بچوں کی دنیا" سے شناسائی ہوئی اور اب جب کہ میں بارہویں جماعت کی طالبہ ہوں تو ماہنامہ "خواتین دنیا" سے متعارف ہوئی ہوں۔

خدا، قومی کونسل کے اس تحفے کی عمر دراز کرے اور جلد سے جلد یہ جریدہ بھی جہان اردو میں خواتین کا بین الاقوامی جریدہ کے مقام پر فائز ہو۔ آمین۔

قوی امید ہے کہ آپ جیسے دانا اور حکیم اردو کی سرپرستی میں ماہنامہ آدھی آبادی کے جذبات و احساسات نہ صرف ترجمان کہلائے گا بلکہ یہ آدھی آبادی ایک ایسی لکیر کھینچے گی جو اپنی حیثیت، اپنی لیاقت، اپنا وقار اور اپنے مقام کا رجحان ساز بن کر اپنے کل کے لیے راہ رو کا کردار بھی ادا کرنے کے قابل ہو سکے گا۔

ایک گزارش کرنا چاہوں گی کہ جو خواتین تعلیم و تعلم کے میدان میں مصروف عمل ہیں ان کے پر کو پرواز کا ہنر عطا کرنے کے لیے مستقل کالم مختص کریں۔

ایک بار پھر شکریہ۔ خیر اندیش

عائشہ فرح معرف محمد وسیع اختر، مقام ہدیٰ کالونی،
سنگھیا، ڈاک خانہ وضلع کشن گنج (بہار)

مکرمی! ایڈیٹر صاحب۔ ماہنامہ 'خواتین دنیا' آداب عرض۔ عرض ہے کہ میں ابتدا میں نسائی جذبات کی عکاسی نظمیں لکھا کرتا جو بانو، شمع اور شمار وغیرہ میں بڑے اہتمام سے شائع ہوتی تھیں۔ لیکن ادھر عرصہ سے میں نے اپنے قلم کو بچوں کی شاعری کی جانب موڑ رکھا ہے لیکن خواتین دنیا کا شمارہ دیکھ کر پھر سے خواتین کے لیے لکھنے کا موڈ ہوا، ایک غزل پیش خدمت ہے اگر پسند آئے تو اسے شائع کیجیے تاکہ میں کچھ اور ایسی نظمیں آپ کو ارسال کرنے کی جسارت کر سکوں۔

امید ہے مزاج بخیر ہوگا۔

حیدر بیابانی، بسیرا، اچل پور سٹی، امراوتی، مہاراشٹر

خواتین خبرنامہ

پروفیسر ذکیہ اطہر صدیقی 'علی گڑھ رتن 2017' کے لیے منتخب

علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے ویمنس کالج کی سابق پرنسپل، ممتاز ماہر تعلیم اور علی گڑھ پبلک اسکول کی او ایس ڈی پروفیسر ذکیہ اطہر صدیقی کو 5 اگست 2017 کو علی گڑھ رتن اعزاز سے سرفراز کیا جائے گا۔ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے ویمنس کالج کی سابق پرنسپل اور شہر کے باوقار علی گڑھ پبلک اسکول کی او ایس ڈی پروفیسر ذکیہ اطہر صدیقی کو پنڈت موہن لال گوتم میموریل سوسائٹی علی گڑھ، عظیم مجاہد آزادی اور سماجی کارکن آنجہانی پنڈت موہن لال گوتم کے 115 ویں یوم وفات کے موقع پر 5 اگست 2017 کو رائل ریزیڈنسی میں 'علی گڑھ رتن 2017' اعزاز سے سرگراز کرے گی۔

ریاستی حکومت خواتین کو خودمختار بنانے کے لیے پابند عہد: وجے چودھری

بہار اسمبلی کے اسپیکر نے کہا: بہار اسمبلی کے پریس ایڈوائزری بورڈ میں خواتین صحافی کو بھی شامل کیا جائے گا۔

پٹنہ، بہار اسمبلی کے پریس ایڈوائزری بورڈ میں اب خواتین صحافی کو بھی شامل کیا جائے گا۔ یہ بات ہفتہ کو ہوٹل پاٹلی پترا میں آکسفیم کے اشتراک سے ساؤتھ ایشین ویمن ان میڈیا آرگنائزیشن کی جانب سے 'خواتین کی آواز کو مضبوطی فراہم کرنا، گھریلو تشدد اور سماجی اصول' کے

موضوع پر منعقد ایک روزہ سیمینار میں لوگوں سے خطاب کرتے ہوئے اسمبلی کے اسپیکر وجے کمار چودھری نے کہی۔ انھوں نے سماج میں خواتین کے وقار اور اہمیت پر اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ بہار میں خواتین کے حالات دیگر ریاستوں کی بہ نسبت کچھ زیادہ خراب ہیں لیکن اسی بہار میں خواتین کو خودمختار بنانے اور انھیں روزگار سے جوڑنے کی پہل کی گئی۔ بہار میں خواتین کو خودمختار بنانے کے لیے کئی طرح کے پروگرام چلائے جارہے ہیں۔ حکومت خواتین کو خودمختار بنانے کے لیے پابند عہد۔ انھوں نے کہا خواتین کو کمزور اور اپنی ملکیت سمجھا جاتا ہے۔ ان کے دماغ میں یہ بٹھا دیا جاتا ہے کہ خواتین گھریلو کام کے لیے ہوتی ہیں۔ لیکن آج سماج کا نقشہ بدل رہا ہے خواتین خودمختار اور خودکفیل ہو رہی ہیں۔ بہت جلد سماج سے خواتین پر ہونے والے ظلم کا خاتمہ ہو جائے گا۔ اس موقع پر جن ستا کے ایڈیٹر مکیش بھاردواج نے کہا کہ سماج میں خواتین کو مرد اپنی ضرورت کا سامان سمجھتے ہیں۔ خواتین کو جو کچھ دیا جاتا ہے وہ ایک احسان کی شکل میں دیا جاتا ہے۔ 'سوام' کی قومی صدر و آنند پتریکا کی سینئر اسسٹنٹ ایڈیٹر سواتی بھٹا چاریہ نے کہا کہ خواتین کے مسائل کو میڈیا میں سنجیدگی سے نہیں لیا جاتا ہے۔ خواتین کو جہیز کے لیے مار دیا جاتا ہے۔ سینئر صحافی گیتا شری نے سماج میں خواتین کی اہمیت اور مردوں کی طاقت پر روشنی ڈالتے ہوئے کہا کہ مرد ہمیشہ خواتین سے یہ امید رکھتے ہیں کہ وہ گھر بچوں اور خاندان کا خیال رکھے گی۔ انھوں نے کہا کہ کیا بچوں کو سنبھالنا، گھر کے کام کاج دیکھنا صرف انھی کی ذمہ داری ہے مردوں کی نہیں ہے؟ انھوں نے کہا کہ شادی کے بعد خواتین کی آزادی ختم کر دی جاتی ہے۔ وہیں صحافی نیہا دکشت نے خواتین کے حالات پر ایک مثال دیتے ہوئے بتایا کہ مہاراشٹر میں آر ایس ایس کے تحت چلنے والی ایک 'راشٹر سیوا سمیتی' ہے جس میں خواتین کو یہ تربیت دی جاتی ہے کہ وہ شادی کے بعد اپنی پڑھائی جاری نہیں رکھے۔ اگر وہ پڑھنا چاہتی ہیں تو پہلے اپنے شوہروں سے اجازت لیں۔ کیونکہ اگر خواتین اپنے شوہروں کی مخالفت میں کھڑی ہونے لگیں گی تو وہ زیادہ سے زیادہ بچے پیدا نہیں کر سکیں گی اور ملک میں ہندوؤں کی آبادی میں اضافہ ہونا مشکل ہو جائے گا۔ بی بی سی کی روپا جھا نے خواتین پر ظلم کرنے والے مردوں سے پوچھا کہ انھیں لگتا ہے کہ خواتین کو ان کی غلطی کے لیے مارنا صحیح ہے۔ وہیں خواتین بھی یہ کہتی ہیں وہ کیا کر سکتی ہیں۔ اس موقع پر راجندر تیواری، دربا گھوش، پروفیسر چندن داس اور شروتی گپتی نے بھی اپنے خیالات کا اظہار

کیا۔ جبکہ سوام کی صدر نیودیتا جھا اور جنرل سکریٹری رجنی شنکر وغیرہ نے بھی اپنے خیالات پیش کیے۔

عالمی کپ میں شاندار مظاہرہ کا انعام

متالی کو تحفہ میں بی ایم ڈبلیو کار ملی

نئی دہلی: آئی سی سی خواتین ورلڈ کپ میں شاندار کارکردگی کا مظاہرہ کرنے والی ہندوستانی ٹیم بھلے ہی فائنل میں ہار گئی، لیکن کھلاڑیوں کو مسلسل تحفے مل رہے ہیں۔ حیدر آباد کے تاجر چامنڈے شرناتھ نے منگل کو ہندوستانی کپتان متالی راج کو بی ایم ڈبلیو تحفے میں دی۔ متالی کو بلیک کلر کی بی ایم ڈبلیو 320 ڈی کار ملی ہے۔ چامنڈے شرناتھ خود آندھرا پردیش کی رنجی ٹیم کے کپتان ہیں، گذشتہ چند سالوں میں بہت موقع پر کھلاڑیوں کو کار

گفٹ کرتے رہے ہیں۔ اپنے اسی کام کو آگے بڑھاتے ہوئے چامنڈے شرناتھ نے متالی راج کو ورلڈ کپ کے دوران ان کی شاندار کارکردگی کے لیے کار گفٹ کرنے کی بات کہی تھی۔ غور طلب ہے کہ وزیراعظم سے لے کر سرکردہ شخصیات تک نے ہندوستان کی ان بیٹیوں کے کھیل کی تعریف کی ہے۔ بی سی سی آئی کی جانب سے بھی تمام کھلاڑیوں کو نوازا گیا، وہیں وزیراعظم نریندر مودی نے بھی کھلاڑیوں سے ملاقات کی تھی۔ یہ دوسری بار چامنڈے شرناتھ کو متالی کار گفٹ کر رہے ہیں۔ اس سے پہلے بھی سال 2007 میں چامنڈے شرناتھ نے متالی راج کو شیورلیٹ گفٹ کی تھی۔

لیلی سنگھ یونیسیف کی نئی سفیر برائے خیر سگالی مقرر

نئی دہلی (یو این آئی) اداکارہ، مزاح نگار اور مصنفہ سپر اسٹار لیلی سنگھ کو یونیسیف نے اپنا سفیر برائے خیر سگالی مقرر کیا ہے۔ لیلی سنگھ کو نئی دہلی میں منعقد ہونے والے ایک خصوصی پروگرام کے دوران یونیسیف کی نئی سفیر برائے خیر سگالی مقرر کیا گیا۔ لیلی جو کہ سپر وومین کے نام سے معروف ہیں، ہندوستان میں تھیں اور ان بچوں سے ملاقاتیں کر رہی تھیں جنھیں دنیا کی معروف تنظیم برائے اطفال یونیسیف کی حمایت و مدد حاصل ہے۔ سفیر برائے خیر سگالی کے طور پر اپنے اس کردار میں لیلی ڈیجیٹل میڈیا میں اپنے وجود اور شہرت کو بچوں اور نوجوانوں کو مصروف رکھنے اور ان کو درپیش مسائل کو بیان کرنے کے لائق بنانے کے لیے کریں گی۔ لیلی نے اس موقع پر کہا کہ سفیر برائے خیر سگالی کی حیثیت میں یونیسیف سے منسلک ہو کر اور تنظیم کے ہر بچے تک پہنچنے کے مشن کو حمایت فراہم کرنے کے لیے اپنی آواز

استعمال کر کے وہ فخر محسوس کر رہی ہیں۔ انھوں نے مزید کہا کہ میں یہاں جن بچوں سے ملی ہوں وہ بہت سے چیلنجوں پر قابو پا رہے ہیں اور وہ اس بات کا زندہ ثبوت ہیں کہ اگر بچوں کو موقع دیا جائے تو وہ کیا کچھ کر سکتے ہیں۔ 28 سالہ لیلی کے چاہنے والوں کی تعداد یوٹیوب پر 11 ملین سے تجاوز ہو چکی ہے۔ اس سال انھوں نے اپنی بین الاقوامی معیار کی حامل اور نیویارک ٹائمز بیسٹ سیلنگ کتاب ہاؤ ٹو بی اے باوز، کا اجرا بھی کیا ہے اور حال ہی میں ایچ بی اوز کی فلم فارن ہائٹ 451 کی تشہیر میں بھی حصہ لے چکی ہیں۔ اس کے علاوہ لیلی فوربس میگزین کی سب سے زیادہ متاثر کرنے والی شخصیات کی فہرست میں پہلا مقام حاصل کر چکی ہیں۔

جیسنڈا آرڈن نیوزی لینڈ میں لیبر پارٹی کی نئی سربراہ منتخب

ویلنگٹن، یکم اگست (رائٹر) نیوزی لینڈ میں لیبر پارٹی نے جیسنڈا آرڈرن کو مسٹر اینڈریو لٹل کی جگہ پر پارٹی کا نیا سربراہ منتخب کیا ہے۔ لیبر پارٹی کی ڈپٹی لیڈر رہنے والی محترمہ جیسنڈا 2008 سے پارلیمنٹ کی رکن ہیں۔ قبل ازیں مسٹر اینڈریو لٹل نے نامہ نگاروں سے بات چیت میں اس بات کی توثیق کرتے ہوئے کہا کہ وہ ملک میں ہونے والے عام انتخابات سے دو ماہ قبل اپنا عہدہ چھوڑ رہے ہیں۔ انھوں نے کہا کہ گذشتہ ہفتہ سامنے آنے والے الیکشن کے نتیجے کے بارے میں کچھ کہنے کا سوال ہی نہیں اٹھتا۔ یہ کافی مایوس کن رہا ہے۔ اپنی کرشمائی شخصیت کے لیے معروف محترمہ آرڈرن نے ایک پریس کانفرنس میں بتایا کہ وہ آئندہ 72 گھنٹوں کے بعد اپنا عہدہ سنبھال لیں گی۔ واضح رہے کہ نیوزی لینڈ میں عام انتخابات 23 ستمبر کو ہوں گے۔

قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان کی چند مطبوعات

مغرب میں تنقید کی روایت
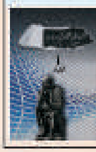

مصنف: عتیق اللہ
صفحات: 568
قیمت: 245 روپے

بہار کی بہار (جلد دوم)
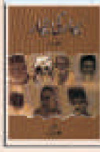

مصنف: اعجاز علی ارشد
صفحات: 242
قیمت: 150 روپے

بہارِ گلشن کشمیر (جلد اوّل و دوم)

مرتبہ/مولفہ: پنڈت برج کشن کول
و پنڈت جگت موہن ناتھ رینہ
صفحات: 454و537
قیمت: 275و300 روپے

دیوندر ستیارتھی
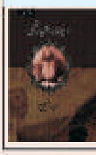

مصنف: عبدالسمیع
صفحات: 162
قیمت: 90 روپے

رشید حسن خاں
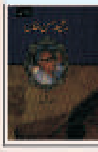

مصنف: عبدالحمید
صفحات: 122
قیمت: 74 روپے

سید امتیاز علی تاج
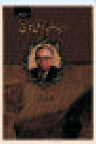

مصنف: محمد شاہد حسین
صفحات: 136
قیمت: 80 روپے

علی سردار جعفری
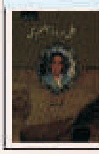

مصنف: عمر رضا
صفحات: 165
قیمت: 90 روپے

یاس یگانہ چنگیزی
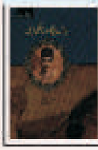

مصنف: حسن مثنیٰ
صفحات: 149
قیمت: 90 روپے

کلیاتِ مضامین وحید اختر (جلد ششم)
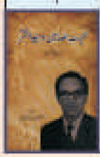

مرتب: ڈاکٹر سرورالہدیٰ
صفحات: 216
قیمت: -/115 روپے

آئینہ جہاں: کلیات قرۃ العین حیدر (جلد پنجم: رپورتاژ)
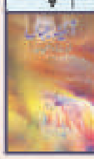

تحقیق و ترتیب: جمیل اختر
صفحات: 407
قیمت: 182 روپے

آئینہ جہاں: کلیات قرۃ العین حیدر (جلد ہفتم: مضامین)
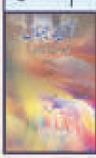

تحقیق و ترتیب: جمیل اختر
صفحات: 359
قیمت: 165 روپے

عظیم سائنسداں (مع ترمیم و اضافہ)
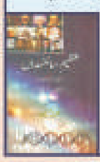

مصنف: احرار حسین
صفحات: 121
قیمت: -/32 روپے

اسرار کشف صوفیہ (1068ھ مطابق 1658)
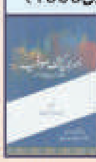

مصنف: سید محمد کمال سنبھلی واسطی
تدوین و تصحیح متن و ترجمہ
و حواشی: ڈاکٹر مصباح احمد صدیقی
صفحات: 803، قیمت: -/335 روپے

انتخاب سخن (جلد اوّل) سلسلۂ شاہ حاتم

مرتب: حسرت موہانی
صفحات: 388
قیمت: -/175 روپے

دستور ہند کا معمار ڈاکٹر بھیم راؤ امبیڈکر
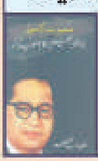

مصنف: خواجہ عبدالمنتقم
صفحات: 155
قیمت: 70 روپے

داستان گو آیا ہے
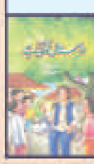

مصنف: رتن سنگھ، مصور: فجر الدین
صفحات: 16
قیمت: 25 روپے

ہماری نظم

مصنف: فراغ روہوی
مصور: فجر الدین
صفحات: 20، قیمت: 30 روپے

دوسرا آدمی
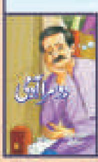

مصنف: قاسم خورشید
مصور: فجر الدین
صفحات: 16، قیمت: 25 روپے

شعبۂ فروخت: قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، ویسٹ بلاک 8، ونگ 7، آر کے پورم، نئی دہلی-110066

فون: 011-26109746، فیکس: 011-26108159، E-mail.:ncpulsaleunit@gmail.com, sales@ncpul.in

Mahnama Khawateen Duniya Monthly **October 2017, Vol. 01, Issue: 1** **RNI. REF. No. 1310440**
National Council for Promotion of Urdu Language **Title Code-DELURD 03206**
Department of Higher Education, Ministry of Human Resource Development, Government of India

سوچھ بھارت
ایک قدم صفائی کی جانب

एक भारत श्रेष्ठ भारत

بچوں کے لیے قومی اردو کونسل کی چند دلچسپ کتابیں

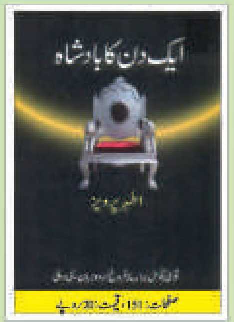

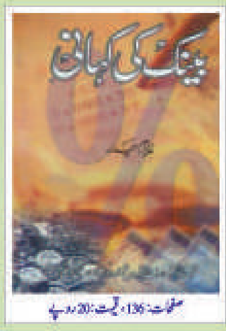

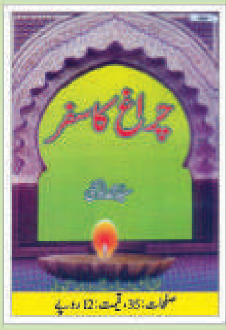

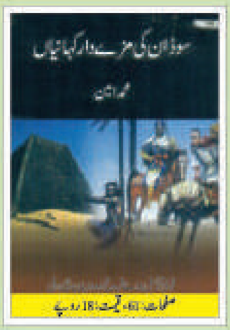

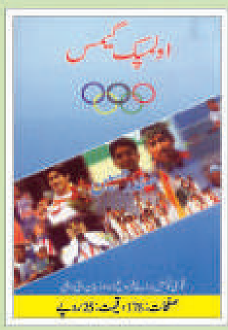

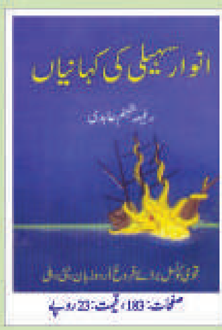

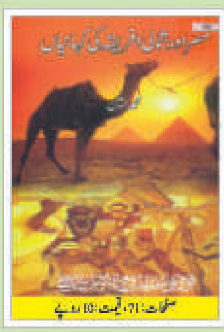

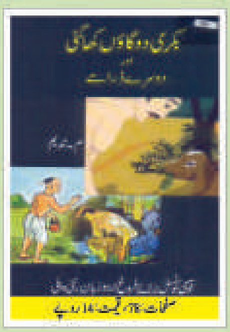

منگانے کے لیے رابطہ کریں:

شعبۂ فروخت: قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، ویسٹ بلاک 8، وِنگ 7، آر کے پورم، نئی دہلی–110066

فون: 011-26109746، فیکس: 011-26108159، E-mail.:ncpulsaleunit@gmail.com, sales@ncpul.in

Printed and Published by Prof. Syed Ali Karim, Director NCPUL, on behalf of National Council for Promotion of Urdu Language, and printed at S.Narayan and sons, B-88 Okhla Indl. Area Phase II. New Delhi-110020
And Published at Farogh-E-Urdu Bhawan FC-33/9 Institutional Area Jasola New Delhi-110025